اخلاق محمد ﷺ

قرآن حکیم کے آئینے میں

﴿۴﴾

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

کفر کی نئی حکمت عملی

مسلمانوں کے اجتماعی اخلاق کے مسلسل عظیم امتحان اور مسلم معاشرے کی سرخ روئی۔

غزوۂ احزاب کے بعد یہ بات مشرک اور کافر قیادت اور سازش کرنے والے منافقوں اور یہود پر واضح ہوگئی کہ اسلام کو تلوار اور عسکری قوت سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ غزوۂ احزاب کے بعد نبی اکرم ﷺ نے بھی مسلمانوں سے فرمادیا تھا کہ اب قریش تم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان کے خلاف پیش قدمی کرو گے، آپ ﷺ کا فرمان اس حقیقت پر شاہد تھا کہ یہ دین، طرز حیات اور نظام اس مرحلے میں داخل ہوگیا ہے کہ اب مخالف قوتوں کے خلاف اپنا دفاع نہیں کرے گا بلکہ آگے بڑھ کر ان کی پیش قدمی کے امکانات کو ختم کردے گا۔

منافقوں اور یہودیوں نے مدینہ کے مسلم معاشرے اور ریاست کو اندرونی طور پر کمزور کرنے اور بالآخر مٹا دینے کے لئے رسول اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات، اہل بیت اور نمایاں ترین اصحاب کے خلاف افواہوں، کردار کشی اور قبائلی عصبیتوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لئے نہایت مستحکم منصوبے تیار کئے۔

ایک کے بعد دوسرا حملہ

معاشروں کی اجتماعی قوت کا اندازہ، بحرانوں اور آزمائشوں پر ان کی آبرومندانہ فتح سے ہوتا ہے، غزوۂ احزاب کے بعد غزوۂ بنوقریظہ کے موقع پر حضرت زینب سے نبی اکرم ﷺ کے نکاح نے منافقوں کو رسول اعظم علیہ السلام کی عزت وناموس پر حملے کرنے کا موقع فراہم کیا۔ مسلم معاشرے اور اس کے میر کارواں اور رسولِ برحق کے خلاف مکۂ معظمہ کے مشرکوں، مدینۂ منورہ کے منافقوں، اور مدینہ منورہ اور

خیبر کے یہودیوں کا اتحادِ ثلاثہ اپنی سرگرمیوں میں مسلسل مصروف تھا۔ منافق، مسلمان معاشرے میں دخیل ہوکر افواہ سازی کے ذریعے اسلامی اخلاق کو اپنا ہدف بنا رہے تھے۔

غزوۂ احزاب کے معاً بعد غزوۂ بنو قریظہ پیش آیا۔

بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت زینب کا نکاح فرمان الٰہی کی بجا آوری کے لئے تھا، ورنہ ان حالات میں اس نکاح کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

نکاحِ حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ سے رضائے حضرت باری کا استعارہ تھا، اس وقت اسلام چاروں طرف خطرات میں گھرا ہوا تھا، غزوۂ احد کے دو ماہ کے بعد ہی بنی اسد نے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ مگر ان کی پیش قدمی سے پہلے ہی مسلمانوں نے انہیں جا لیا۔ ادھر منافقوں کی سازشیں اور افواہ سازی کی مہم جاری رہی۔ اس دوران مدنی آیاتِ قرآنیہ میں مسلمانوں کے قوانین نکاح، طلاق، اور وراثت نازل ہو چکے تھے اور تبنیت (گود لینا، کسی کو بیٹا بیٹی بنانا) کی پرانی مقدس رسم ان قوانین سے ٹکرا رہی تھی (۱)۔ مزید برآں دلوں کے ہر بھید سے باخبر رب جلیل کا منشا یہ تھا کہ حرمتِ زنا کے قانون اور تصور کی تکمیل کے لئے مصنوعی رشتوں کو حقیقی رشتوں سے الگ کر دیا جائے۔ منہ بولی بیٹی یا بیٹا یا منہ بولے بیٹے کی بیوی حقیقی بیٹے یا بہو کا مرتبہ نفسیاتی طور پر حاصل ہی نہیں کر سکتی۔ دوسری طرف اس جھوٹے رشتہ کا احترام ذہنوں میں اس حد تک رچ چکا تھا کہ اگر حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کا حکم نہ دیتا اور محض قرآن کی ایک آیت کے ذریعے ایسے رشتوں کی نفی کر دی جاتی تو بھی ذہنوں میں ایسے رشتے کے بارے میں کراہت باقی رہتی۔ حضرت زینب سے حضور ﷺ کے نکاح نے مصنوعی رشتے کے اس انسان ساز تقدس کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ (۲)

نبی اکرم ﷺ نے انتہائی کوشش فرمائی تھی کہ حضرت زید حضرت زینب کو طلاق نہ دیں تا کہ آپ ﷺ اس بڑی آزمائش سے بچ سکیں جس سے اس صورت میں آپ کو گزرنا تھا۔ مگر ربِ جلیل جل جلالہ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ متبنیٰ بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا عام مسلمان کے لئے جائز قرار دیا گیا، مگر یہ بات آپ کے لئے فرض ٹھہری۔ اس کے علاوہ ربِ محمد ﷺ کو یہ بھی منظور ٹھہرا کہ ''ایمان والوں کے ایمان اور حُبِ رسول کو آزما لیا جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ حضور ﷺ کا عمل اور اللہ تعالیٰ کی وحی، تمام قدیم اور باطل عقائد و رسوم کو مسلمان کی نظر میں ہیچ اور بے مایہ قرار دیتی ہے یا ابھی ماضی کے اثرات باقی ہیں''۔

سورہ احزاب میں نبی اکرم ﷺ کے حضرت زینب سے نکاح کے واقعہ کو نہایت جامعیت اور اختصار کے ساتھ اس مکمل پس منظر میں پیش کر دیا گیا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَااللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا O مَا كَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا O الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا O مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا O (۳)

اور جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے اور آپ نے بھی انعام فرمایا، فرما رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں باقی رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ آخر میں ظاہر کرنے والا تھا اور آپ ﷺ لوگوں (کے طعن) سے اندیشہ کرتے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہی زیادہ سزاوار ہے۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) سے تمہارا نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کے حکم پر تو عمل ہونا ہی تھا۔ اور نبی پر کسی ایسے کام میں روکاٹ اور تنگی نہیں ہے جسے اللہ نے اس کے لئے فرض قرار دیا ہے اور اللہ کی یہی سنت ان نبیوں کے معاملے میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم تو مقدر اور طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کی سنت ان لوگوں کے لئے ہے جو (انسانوں تک) اللہ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور ان کے محاسبے کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

ان قرآنی آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت زینب سے حضور ﷺ کا نکاح اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری تھا اور یہ نکتہ بھی روشن ہو جاتا ہے کہ اسلامی اخلاق لوگوں کے گمان اور ان کے قائم کردہ معیاروں سے بلند تر ہوتا ہے اور یہ باتیں مسلمان کے طرز عمل کو متاثر نہیں کرتیں۔ وہ لوگوں کے طعن، تبصروں اور افواہوں کو پرکاہ سے بھی زیادہ کم وزن سمجھتا ہے۔ انسان ساز اخلاق اور اخلاقیات کی پوری

تاریخ کارل مارکس کے اس خیال کی تائید کرتی ہے کہ اخلاقی اصول اور ضابطے ماحول اور اقتصادی نظام کے تابع ہوتے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ جن اخلاقی فضائل کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے وہ ماحول اور معاشرے کے مروجہ اخلاقی بنیادوں کو ڈھانے والے تھے اور وہ اخلاقی فضائل وقت کی گرفت سے بالاتر تھے۔ اسلامی اخلاق اور اسلامی کردار کی بنیاد لازمانی اور لامکانی ہے کیونکہ اس کا منبع اور سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے:

نہ ہے زماں، نہ مکاں لا الہ الا اللہ

یہ لازمانی اور لامکانی اخلاقی اصول اور ضابطے ہر زماں اور مکاں کے لئے ہیں، کیونکہ مادی ترقیاں، تسخیر مکاں، انسانوں کی تکنیکی اور سائنسی فتوحات بنیادی طور پر نفس انسانی کو نہیں بدل سکتیں، وحی الٰہی سے دوری کے سبب اس نام نہاد عالم گیریت کے دور میں انسان کی تنگ دلی، کم نظری اور اخلاقی بے راہ روی کی سب سے نمایاں مثالیں دنیا کی واحد سپر پاور کے سربراہ بش اور کیتھولک عیسائیت کے رہنما موجودہ پوپ کی شخصیتیں ہیں جو انسان کی آفاقیت اور انسانیت کی عالمگیریت سے منہ موڑ کر صلیبی جنگوں اور قرونِ وسطیٰ کی مسیحی تنگ دلی کی نمائندگی کر رہی ہیں۔ یہ صرف اسلام ہے جو انسان کو اخلاق الٰہی کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے بہتر اور کون سا رنگ ہو سکتا ہے۔ مسلمان کا اخلاق، اسوہ حسنہ نبوی ﷺ کی تقلید اور اتباع میں اس خاک دان تیرہ کو روشن کرتا ہے اور اس زمینی زندگی کو جنت کی زندگی کا ہلکا سا نمونہ بنا دیتا ہے۔

غزوۂ مریسیع، منافقوں کے جارحانہ رویئے، اور عظیم ترین برأت

غزوۂ مریسیع (غزوۂ بنی المصطلق) عسکری اعتبار سے کوئی بڑا معرکہ نہیں ہے لیکن اسے تاریخ اسلام میں اور حیات نبی کریم علیہ السلام کے مطالعے میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس معرکے نے منافقوں کے نفاق کے پردے چاک کر دیئے، مومنوں کا ایمان تابندہ تر اور رخشندہ تر ہو گیا۔ اسلامی اجتماعی اخلاق ہر سازش اور افواہ طرازیوں کی ہر کوشش پر غالب آ گیا اور نفاق کی ان آندھیوں اور جھکڑوں کے بعد رحمت باری کی بارش نے مطلع کو روشن تر اور بے غبار بنا دیا۔ ایک اور بات واضح ہو گئی کہ اگرچہ اخلاق کا تعلق ایمان اور مومنوں کے قلوب سے ہے لیکن معاشرے کی تطہیر کے لئے قوانین بھی ضروری ہیں۔ منافقوں کی منافقت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے وہ معاشرتی اور تعزیری ضابطے اور قانون عطا کئے جو تا قیام قیامت مسلمانوں کی شیرازہ بندی کرتے رہیں گے اور ان کے معاشرے کو ہر تہمت، ہر افواہ اور ہر سازش کا مقابلہ کرنے کی قدرت عطا کرتے رہیں گے۔

غزوۂ مریسیع کے سالِ وقوع میں اختلاف پایا جاتا ہے، یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا یا ۶ھ میں۔ ہمارا رجحان ۶ھ کے شعبان کی طرف ہے، بہر حال ہم توقیت کی اہمیت کے بے حد معترف ہونے کے باوجود یہ عرض کریں گے کہ اخلاقِ محمدی ﷺ کے مطالعے میں سن کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔ بس اتنا یقین کافی ہے کہ یہ غزوہ سرورِ کائنات ﷺ کے حضرت زینب سے نکاح کے بعد پیش آیا اور یہ شادی ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۵ میں ہوئی۔

غزوۂ بنی المصطلق (غزوۂ مریسیع) میں منافق اپنے ناپاک منصوبوں اور ارادوں کے ساتھ بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ ان کا سربراہ اور دماغ عبداللہ بن اُبی تھا۔ ان منافقوں نے یہ طے کر دیا تھا کہ مسلمانوں میں انتشار اور تفریق پھیلانے کے لئے ہر موقع اور واقعے کو استعمال کریں گے اور ایسے واقعات پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ عبداللہ بن ابی نے غزوۂ بدر کے بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا مگر وہ اس سے پہلے اور بعد میں بھی اپنے نفاق کے اظہار میں کبھی نہیں شرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی یثرب آمد اس کے لئے ایسا ناسور بن گئی تھی جو مندمل ہونے کی جگہ بڑھتا ہی رہا۔ وہ جس یثرب کا بادشاہ بننے جا رہا تھا وہ یثرب مدینۃ النبی بن گیا اور اس کی ہوس تاجوری داغ نامرادی بن گئی، اور وہ اپنے بغض وعناد کا اظہار ہر موقع پر کرنے لگا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے اپنے گدھے پر سوار ایک مجلس سے گزرے جس میں عبداللہ بن اُبی شریک تھا اس نے اپنی ناک پر کپڑا رکھ کر نہایت ناشائستہ لہجے میں کہا کہ ہم پر اپنے گدھے کے ذریعے غبار نہ اڑاؤ۔ جب رسول آخر الزماں علیہ السلام نے اس مجمع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے فریضۂ تبلیغ کی بجا آوری کے لئے قرآن حکیم کی تلاوت شروع فرمائی تو رئیس المنافقین نے کہا ''ہماری مجلس میں قرآن سنا کر ہمیں تنگ نہ کیجئے''۔ غزوۂ بدر کے بعد ناچار ہو کر اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تو ہر جمعہ کو خطبۂ جمعہ سے پہلے اٹھ کر کہتا ''مسلمانو! اللہ کے رسول کی بات کا احترام اور دل کے کان سے پوری توجہ سے سنو''۔ جب غزوۂ احد کے بعد اس نے یہی حرکت کی تو مسلمانوں نے بالجبر اسے بٹھا دیا کہ تو نقیب رسالت کیوں بن رہا ہے، وہ غصے میں لوگ کو پھلانگتا ہوا مسجد سے باہر نکلنے لگا تو مسجد کے بیرونی دروازے کے باہر ایک انصاری نے اسے روکتے ہوئے کہا کہ واپس چل، رسول اللہ ﷺ تیری مغفرت کے لئے اپنے رب سے دعا کریں گے۔ اس بدبخت ازلی نے کہا کہ رب جلیل کی قسم! میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لئے دعا کریں۔

ان دو مثالوں سے عبداللہ بن ابی کی ذہنی کیفیت، حضور اکرم ﷺ سے اس کے عناد اور مدینے میں اسلام کی سربلندی پر اس کی جلن اور کڑھن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ غزوۂ بنی المصطلق میں جب رسول اللہ ﷺ مریسیع کے چشمے پر قیام پذیر تھے، حضرت عمر بن خطاب کا ایک ملازم پانی لینے کے لئے چشمے پر آیا،

جہجاہ غفاری، پانی لیتے ہوئے اس کا دھکا ایک انصاری جہنی کو لگ گیا، دونوں ایک دوسرے سے لڑنے لگے، جہنی نے نعرہ لگایا یا معشر الانصار، جواباً جہجاہ نے مہاجرین کو آواز دی یا معشر المہاجرین، چھ برس میں رسول اللہ ﷺ نے جس مسلمان معاشرے کی تشکیل فرمائی تھی اس میں منافقوں کی سازش سے جاہلی عصبیت کے رخنے اور دراڑیں پڑنے لگیں۔ ابھی دلوں سے ماضی پوری طرح نہیں محو ہوا تھا۔ وہ براہمی نظر ابھی مسلم معاشرے کی مکمل شناخت نہیں بنی تھی جو یک سو ہو کر اللہ کی توحید اور ملت کی وحدت کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ موقع نزاع پر تشریف لائے اور آپ نے اہل ایمان کو آواز دی یا معشر الاسلام۔ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور تم عہد جاہلیت کے نعرے لگا رہے ہو، یہ نعرے کفر کی بدبو لئے ہوئے ہیں، انہیں چھوڑ دو۔ اس واقعے پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ لوگو! خدا کی قسم مدینہ واپس پہنچتے ہی ہمارا معزز ترین آدمی، ذلیل ترین آدمی (معاذ اللہ) کو باہر نکال دے گا۔ حضرت زید بن ارقم، عبداللہ بن ابی کی اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے یہ بات آکر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اس منافق کے قتل کا حکم دے دیں۔ وہ رسول جس کی راہ میں مکۂ معظمہ میں کانٹے بچھائے گئے، جس پر گندگی پھینکی گئی، جس کو اس طرح حرم کعبہ میں مارا گیا کہ موت، زندگی سے قریب تر معلوم ہوتی تھی، وہ اپنی توہین کو اجرِ رسالت سمجھ کر مطمئن تھا اور اس کی نظر میں اہم تر اجتماعی مصالح تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں عمر نہیں، منافق اور اسلام کے دشمن کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔ یہ غیر معمولی تحمل اور اپنی ذات سے بلند ہو کر مسلم معاشرے کی مصلحتوں کو سامنے رکھنا نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا ایک اور پہلو ہے۔

جب حضرت زید بن ارقم نے عبداللہ بن ابی کی ہفوات نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھیں تو دوسرے معمر صحابیوں نے بھی یہی کہا کہ اس کم عمر نوجوان نے پوری بات نہ سمجھی ہو، عبداللہ ابن اُبی یا کسی کی یہ ہمت نہیں کہ وہ انصار کو ہم پر دولت خرچ کرنے اور پناہ دینے کا طعنہ دے سکے۔ زید بن ارقم اس واقعے کے بعد گھر بیٹھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ منافقین میں ان کی روایت کی تصدیق فرما دی:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ط وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ O يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَO (۴)

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ان (لوگوں) پر کچھ نہ خرچ کرو جو رسول اللہ (ﷺ) کے

پاس (اور ساتھ) ہیں، یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر ہو جائیں اور آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے اللہ تعالیٰ کے ہیں لیکن یہ منافق اس حقیقت کو نہیں سمجھتے (اور) یہ منافق کہتے ہیں کہ ہم جب مدینہ واپس جائیں گے تو وہاں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا اور (سچ تو یہ ہے کہ) ہر عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے لیکن یہ منافق نہیں جانتے (اور اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں کی تصدیق کر دی ہے۔ خوش ہو جاؤ کہ تمہارا رب تمہاری صداقت کی گواہی دے رہا ہے۔

اور مدینہ منورہ واپسی کے موقع پر تاریخ کی براق آنکھوں نے دیکھا کہ عبداللہ بن اُبی کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ تلوار کو بے نیام کر کے مدینہ منورہ میں داخلے کے راستے پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ مدینہ کا ذلیل ترین آدمی مدینہ کے بہترین آدمی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر مدینے میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ہر عزت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے۔ نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جگہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنے باپ کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ اخلاق محمد ﷺ کا یہ اثر اس واقعے کو زندہ کر گیا جب حضرت زید بن حارثہ نے اپنے مربی اور آقا ﷺ کو چھوڑ کر اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے کتنے ہی معجزے عطا فرمائے۔ معجزہ وہ ہے جس کی کوئی دلیل اور عقلی توجیہ نہ پیش کی جا سکے، انبیائے ماسبق کو بھی معجزے دیئے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کا ذکر قرآن میں ہے۔ ید بیضا اور عصائے موسیٰ کے معجزے تو زبان اور ادب کا حصہ بن چکے ہیں۔ معجزے کوئی نبی اپنی قوم کے مطالبے پر نہیں پیش کر سکتا تھا بلکہ یہ معجزے اللہ تعالیٰ جب چاہتا کسی نبی کے ذریعے پیش فرما دیتا۔ جیسا کہ ہم مناسب موقعوں پر عرض کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ کی رسالت کا دامن دامانِ قیامت کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور اسی لئے حسی معجزوں کے علاوہ آپ کو دوابدی معجزے عطا کئے گئے۔

قرآن حکیم اور آپ ﷺ کی زندگی جس کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں کھائی ہے، اخلاقِ حسنہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔ مسلمانوں کے انفرادی اخلاق اور مسلم معاشرے کے اجتماعی اخلاق کی بنیاد اسوہ حسنہ ہے۔ اسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلم معاشرے کی تعمیر اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں کوئی معجزاتی پہلو نہیں ہے۔ جنگ بدر اور دوسرے معرکوں میں نصرتِ الٰہی نے مسلمانوں پر اپنا سایہ کیا، لیکن جنگ و جہاد میں مسلمان ہر آزمائش سے گزرے۔ سرکارِ ختمی مرتبت

ﷺ نے مسلمانوں کو ہر آزمائش کے لئے تدابیر اختیار کرنے اور سامان مہیا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اسی طرح معاشرتی اور اجتماعی مسائل میں بھی رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ہر آزمائش سے گزرے اور یوں وہ اخلاقی نظام اور ماحول وجود میں آیا جو آج بھی زر خالص کی طرح چمک رہا ہے اور یہ تابندگی ہمیشہ قائم رہے گی۔

عبداللہ بن اُبی کو مدینہ منورہ میں داخلے کی اجازت حضرت سید البشر ﷺ نے عنایت فرمائی اور رئیس المنافقین کے ساتھ سازشوں، افواہوں اور بہتان کا ایک سیل بے پایاں مدینہ منورہ کے ساحلِ عافیت سے ٹکرانے لگا۔

واقعۂ افک نے پورے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ انتہا تو یہ ہے کہ ایک دو بڑے صحابہ بھی اس سے متاثر ہوئے، واقعۂ افک کے واقعاتی پہلو سے ہم صرف نظر کرتے ہیں کیونکہ جب قرآن عظیم نے اسے بہتانِ عظیم قرار دے دیا تو بات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے ہوگئی۔

وَلَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ص سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ O (۵)

تم نے اسے سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ایسی بات کہنا ہمیں زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ یہ تو بہتانِ عظیم ہے۔

سبحان اللہ، کبریائی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور مومن معاشرے کو اسی پاکی اور پاکیزگی کا عکس ہونا چاہئے۔ جو منافق مدینہ منورہ کے مسلم معاشرے میں دخیل ہونے کی کوشش کر رہے تھے ان کا مقصد یہی تھا کہ اس معاشرے میں فحاشی، بے حیائی اور تہمت عام ہوں۔ ان منافقوں کا ذکر اس معاشرے کے افراد سے الگ کیا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ط وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ O (۶)

جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں فحاشی (اور بے حیائی) پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جو لوگ مسلم معاشرے میں بے حیائی کو عام کرنے کی کوشش کریں وہ اس آیت مبارکہ کی روشنی میں منافق ہیں۔ آج ابلاغِ عامہ کے اس دور میں یہ منافقت پاکستان کے برقی ذرائع ابلاغ میں عام ہے اور اب وبا کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ دولت کی محبت اور فکرِ عقبیٰ سے بے خوفی ہے، ایک ہی شخص یا گروپ کے ایک سے زیادہ چینل انسانوں کے ہر جذبے اور لگاؤ کا استحصال کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ

روپیہ بٹور رہے ہیں۔ ایک چینل مذہبی پروگراموں کے لئے وقف ہے تو دوسرا چینل فیشن کے لئے مختص ہے۔ مذہبی چینل بھی قرآن وحدیث کی تعلیمات سے زیادہ وقت استخارے، خوابوں کی تعبیر اور روحانی علاج اور قوالی ونعت خوانی کے نام پر موسیقی کے لئے وقف ہے۔ یوں معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کے ساتھ ساتھ بداعتقادی اور آرائشی مذہب کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

بے حیائی اور فحاشی کے جلو میں خواتین کے بارے میں تہمتیں اور افواہیں پھیلتی ہیں اور نیک وتقی مرد بھی محفوظ نہیں رہتے۔ اگر معاشرے کا اخلاقی توازن برقرار ہے تو کسی افواہ اور تہمت کے پھیلنے کے وقت لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ ایسی باتیں کہنا اور کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ یہ ہے مسلم معاشرے کا وہ اخلاقی معیار جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ واقعۂ افک کے موقع پر اس اسلامی اخلاق اور کردار کا مظاہرہ حضرت ابوایوب انصاری اور ان کی زوجۂ محترمہ رضی اللہ عنہما نے کیا۔ حضرت ابوایوب انصاری نے اپنی زوجہ سے پوچھا کہ ایوب کی ماں! اگر تم ام المؤمنین کی جگہ ہوتیں تو کیا ایسی بات کے ارتکاب کا تمہیں خیال آتا جس کی تہمت اس بی بی پر لگائی جارہی ہے، جس کے حجرے میں بار بار وحی نازل ہوئی ہے، جو اللہ کے عظیم ترین اور آخری رسول کی شریک حیات ہے اور جو اس امت کے صدیق کی بیٹی ہے۔ ام ایوب نے جواب دیا کہ معاذ اللہ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی۔ حضرت ابوایوب انصاری نے کہا کہ کسی ایسی صورت حال میں کسی بھی خاتون کے لئے یہ بات میرے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتی اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ مجھ سے بہتر مسلمان ہے۔

بیشتر مسلمان بھی حضرت ابوایوب انصاری کی طرح اس واقعے کو بہتان ہی سمجھ رہے تھے لیکن ذہنوں میں شک کا غبار چھا گیا۔ یہی نہیں بلکہ بعض سچے مسلمان بھی اس تہمت کی مہم میں شریک ہوئے، مسطح بن اثاثہ، حمنہ بنت جحش اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم اس موقع پر اس بشری کمزوری کے مرتکب ہوئے اور قذف کے اس جرم میں انہیں اسی اسی کوڑوں کی سزا دی گئی۔ اس واقعے کے بارے میں قرآن مجید کا یہ ارشاد بھی ہے:

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (۷)

تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

اور اس تہمت میں خیر کا باقی رہنے والا پہلو یہ تھا کہ رب العزت جل جلالہ نے ایسے معاشرتی اور اجتماعی ضابطے اور قانون نازل فرمائے جو معاشرے کی اخلاقی قدروں کے فروغ کے لئے ضروری تھے۔

۱۔ اس واقعے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو ذوالفضل کے زمرے میں شامل فرمایا، اور ان صاحبانِ فضل ووسعت کے لئے یہ ضابطہ قائم ہوا کہ وہ اپنے عزیزوں، ضرورت مندوں اور

مہاجروں کی جو مالی مدد کرتے ہیں اسے کسی ذاتی ناراضگی یا ان کی کسی غلطی کی بنا پر ختم کرنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے اور نہ اس بات پر عہد کر لینا چاہئے۔ ایسی صورت میں انہیں معاف کر دینا چاہئے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور بھی معاف کر دے، بندگانِ خدا کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے کرم کو آواز دینے کے مرادف ہے:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ (۸)

اور جو تم میں سے صاحبِ فضل و بزرگی اور (مالی) وسعت والے ہوں انہیں اپنے اہلِ قرابت، مساکین اور مہاجرین کو فی سبیل اللہ امداد دینے سے (رکنے کی) قسم نہ کھانی چاہئے بلکہ چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کر دے، اللہ مغفرت کرنے والا اور رحیم ہے۔

حضرت مسطح جو واقعہ افک کے تہمت پردازوں میں غلطی سے اور وقتی طور پر ایمان کی کمزوری کی وجہ سے شامل ہو گئے تھے، رشتے میں حضرت صدیق اکبر کے خالہ زاد بھائی تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے اس طرزِ عمل سے آزاد ہو کر یہ عہد کر لیا تھا کہ ان کو جو رقم پابندی سے دیتے تھے اب نہیں دیں گے۔ اس عہد میں کوئی اخلاقی قباحت بظاہر نظر نہیں آتی، لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں حُبِ الٰہی اور خوفِ الٰہی کی بنیادوں پر جو اخلاق پیدا کرنا چاہتا تھا اس کے منافی تھا۔ قرآنِ حکیم نے اس سلسلے میں واضح طور پر یہ اصول بھی عطا کیا ہے کہ کوئی کسی پر احسان کر کے اور حسنِ سلوک کر کے جتلائے نہیں اور اسے اپنا مرہون منت نہ بنائے اور نہ سمجھے۔ یہ ایک عام ضابطہ ہے عام مسلمانوں کے لئے، پھر اس امت کے صدیق کے لئے جناب باری کو یہ کمزوری کیسے گوارا ہو سکتی تھی، اسی لئے اس آیت میں انہیں اور آنے والے ادوار کے مسلمانوں کو یہ اخلاقی کلیہ عطا کیا گیا کہ اللہ کے عفو و درگزر کے حصول کے لئے اللہ کی مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک ہر حال میں جاری رہے اور کوئی شخص وجہ اس سلسلے کو نہ توڑے۔ اس حکم میں صلۂ رحمی، انفاق فی سبیل اللہ اور امدادِ مہاجرین یہ سب باتیں بھی آ گئیں۔

۲۔ واقعہ افک کی وجہ سے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کے جرم کو حدود اللہ کی خلاف ورزی قرار دیا گیا اور اس جرم پر حد جاری کی گئی، یعنی اسی دُرّے۔

۳۔ جو دوسرے معاشرتی ضابطے اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کے بعد عطا فرمائے ان میں یہ بھی ہے

کہ کسی دوست اور عزیز کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں۔ اس حکم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تمہاری نگاہیں اس گھر میں داخل نہ ہوں اور اگر تم سے کہا جائے کہ اس وقت آپ سے ملاقات نہیں ہو سکتی تو بغیر غم، غصے اور ناراضی کے واپس لوٹ جاؤ۔ اس بات کو قرآن نے ''ازکیٰ'' یعنی پاکیزہ قرار دیا ہے۔ یہ دراصل وہ پیش بندی ہے جو پاک باز افراد کو تہمتوں سے بچائے گی، ہمارے دور میں شہری حقوق کا بہت چرچا اور غوغا ہے اور ان حقوق میں Right of privacy پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے تقریباً پندرہ سو سال پہلے اس حق کی اہمیت اور افادے کو اجاگر کیا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ O فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ ج وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ اَزْکٰی لَکُمْ ط وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ O (۹)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں اُس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو، اور ان کے گھروں میں رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور اگر وہاں (اس گھر میں) تمہیں کوئی نہ ملے تو بغیر اجازت کے ان میں داخل نہ ہو، اور اگر تم سے لوٹ جانے کے لئے کہا جائے تو لوٹ جاؤ، یہی بات تمہارے لئے پاکیزگی کی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ خوب آگاہ ہے۔

۴۔ اسلام میں ہر قانون اور ضابطے کی اخلاقی بنیاد ہوتی ہے۔ جن جرائم پر سزا ہوتی ہے وہاں یہ بات بھی بیشتر مواقع پر قرآن حکیم میں کہی گئی ہے کہ ''تاکہ تمہیں فلاح ہو''۔ قرآن میں سزا کے ساتھ فلاح اور مغفرت بھی وابستہ ہیں، اپنے جرم اور قصور کی سزا پانے کے بعد آدمی اپنے جرم سے بری ہو جاتا ہے اور اسے اس جرم کا طعنہ نہیں دیا جا سکتا، مجرموں کی ہمہ جہتی بحالی اسلام کے ضابطۂ اخلاق اور قانون کا خاصہ ہے جس میں کوئی نظام اس کی برابری نہیں کر سکتا۔

معاشرے کو فحش، تہمت، افواہوں اور بہتان سے بچانے کے لئے افراد کی اخلاقی ذمہ داری اور رویہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، سورۃ النور میں مسلمان مردوں کو اپنی نگاہوں اور شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا اور اس کے بعد مسلمان عورتوں کو یہی حکم دیا گیا۔ معاشرے کی اخلاقی فضا کا تحفظ مرد اور عورت دونوں کا فریضہ ہے اور اس کے اس کے ساتھ ساتھ عورت کو بڑی نزاکت سے یہ بات بھی یاد دلا دی گئی کہ اس کی زینت سے اپنی نگاہوں کو مسرت دینا صرف اس کے شوہر کا حق ہے۔ ایک پاکیزہ عورت کا

کردار اور وجود پورے معاشرے کو اخلاقی طور پر مزین کرتا ہے، اس کے اہل خانہ اس کے برتاؤ سے اطمینان اور سکون حاصل کرتے ہیں، اس کی آغوش اس کے بچوں کی درس گاہ ہے، لیکن اس کا وجود غیر محرموں میں اشتعال پیدا کرنے کا سبب نہیں بنتا اور اس امکان کے ہر دریچے کو اسلامی ضابطے بند کر دیتے ہیں۔ اسلام ایسے معاشرے کی تخلیق نہیں کرتا جو عورت کو ایک رنگین وجود قرار دے کر اور آزادی کے فریب میں مبتلا کر کے اسے سینما کے بڑے پردے پر اور ٹی وی کے چھوٹے پردے پر تجارتی اشتہاروں میں استعمال کر کے نئے ''عالمی بازار عکاظ'' کی طرح ڈالی جائے، ہم اس نکتے پر صفحات ماسبق میں پہلے بھی گزارشات پیش کر چکے ہیں۔

اب وہ معاشرتی ضابطے اور احکام ملاحظہ فرمایئے جو واقعۂ افک کے پس منظر میں نازل کئے گئے اور جو ہر دور میں مسلمان معاشرے کے اخلاقی مزاج اور نہاد کی تعمیر میں شریک رہیں گے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ O وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (۱۰)

مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے پاکیزگی کا سبب ہے اور لوگ جو کچھ کریں گے اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھتا ہے۔ اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے کہ جو ظاہر ہے اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں ڈالے رہیں اور اپنی آرائش کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہر، اپنے والد یا شوہر کے والد، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہر کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنی میل جول کی عورتوں کے، یا ایسے مرد خادموں

سے جو عورت کی خواہش (فطری طور اور مستقل طور پر) نہ رکھتے ہوں یا ایسے بچوں سے جن پر عورتوں کے پردے کی باتیں آشکار نہ ہوں اور زور زور سے اس طرح پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت آشکار ہو جائے، اے اہل ایمان! تم سب اللہ کی بارگاہ میں اجتماعی طور پر توبہ کرو تا کہ نجات پالو۔

۵۔ نکاح حفظ عصمت کا مضبوط قلعہ ہے۔ جس معاشرے میں بالغ مردوں اور عورتوں کی قابل ذکر تعداد بے نکاحوں پر مشتمل ہو اس پر جنسی جذبات کا شب خون آسانی سے مارا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر آج کی دنیا میں جہاں بہت سے افراد بہتر معیارِ زندگی کے نام اور فریب کی وجہ سے صحیح عمر میں نکاح نہیں کرتے۔ جس وقت سورۃ النور نازل ہوئی اس وقت خاص طور پر غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کا معاملہ بے حد اہمیت رکھتا تھا۔ آج جب کہ غلامی کا ادارہ نظر بظاہر ختم ہو چکا ہے حقیقتاً زندہ ہے اور اس کے جلو میں بے راہ روی کے ساتھ انسانوں پر جبر وستم کا ایک سلسلہ جاری ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ بردہ فروشی اور عورتوں کی خرید وفروخت ایک عالم گیر جرم بن چکا ہے، جس کی جڑیں ایشیا، بالخصوص جنوبی ایشیا اور مشرق بعید، یورپ اور افریقہ میں دور دور تک سرطان کی طرح پھیلی ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے نکاح کے مسئلے کا غلامی سے رشتہ جوڑ کر دو سماجی برائیوں کو ختم کرنے کا نسخہ عطا کیا ہے۔ غلاموں کو معاشی خوش حالی حاصل ہو، انہیں آزاد کیا جائے اور انہیں اپنی آزادی کو خریدنے کا موقع دیا جائے اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ مالی تعاون کیا جائے، اُس عہد میں اسلامی احکام اور معاشرے کے قیام سے پہلے عرب اپنی لونڈیوں کو عصمت فروشی پر مجبور کرتے تھے اور یہ ان کی حرام اور ناجائز کمائی کی ایک صورت تھی۔ اس صورت میں قرآنِ حکیم نے یہ وضاحت فرما دی کہ اس کا عذاب ان کے مالکوں پر پڑے گا اور اللہ کی مجبور بندیاں اس گناہ کے عذاب سے بری ہوں گی، سورۃ النور کی آیات میں ان سب صورتوں کا احاطہ کیا گیا ہے، عرب مشرک سرمایہ پرستوں کی ہوس ناکیوں سے لے کر آج کے عہد کی فحاشی اور قحبہ گردی کے سارے امکانات خدائے قادر وعادل نے پیش فرما دیئے ہیں:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ O وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا صلے وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰكُمْ ط وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (۱۱)

تم میں سے جو مرد بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے ان کا نکاح بھی کر دو جو صالح اور نیک چلن ہوں اور اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی اور صاحبِ استطاعت کر دے گا اور اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور وسعتوں اور کشادگی والا ہے۔ اور جو نکاح کی سکت اور استطاعت نہیں رکھتے، وہ پاک دامنی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنا اور دولت عطا کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو تمہیں کچھ روپیہ دے کر آزادی کی تحریر حاصل کرنے کا خواہش مند ہو تو تم انہیں ایسی تحریر دے دیا کرو۔ اگر تم کو ان میں ایسی بھلائی نظر آتی ہو، اور اللہ نے جو مال تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے انہیں بھی دو، تمہاری جو کنیزیں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں، انہیں اس دنیا کی زندگی کے فائدے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو انہیں مجبور کرے تو اللہ تعالیٰ ان پر جبر کے بعد ان کی مغفرت کرنے والا رحیم ہے۔

ان ضابطوں اور معاشرتی احکام کے بیان کے بعد قرآن مجید کی وہ نہایت خوبصورت آیت آتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مثال چراغ والے طاق سے دی گئی ہے۔ وہ چراغ جو شیشے کی قندیل میں ہو اور وہ شیشہ روشن ستارے کی طرح ہو، اللہ ہی نور ہے اور وہ نور جس سے ارض وسماوات کی بزم روشن ہے۔ یہی وہ نور ہے جس سے انسان روشن ہے اور حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اس درجہ اس نور سے قربت ہے کہ ان کا وجود بھی نور بن گیا، اور یہ اس بے انسانوں کی دنیا کی ظلمات کو دور کرنے کے لئے ایک بشر ہی کو نور بنانا ہی مشت الٰہی تھا۔ کیونکہ انسانوں کے لئے انسان ہی رہنما، مثال اور ذریعۂ ہدایت بن سکتا ہے، تمام اقوام اور دنیا کے ہر خطے کے انسانوں کی ہدایت انبیائے کرام کے ذریعے ہوئی اور ہر نبی اپنی قوم میں پیدا ہوا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پوری انسانیت کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔

اس قرآنی مثال میں قلبِ مومن کے لئے چراغ کی تشبیہ استعمال کی گئی ہے، اس تشبیہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اپنے آپ کو اخلاقِ الٰہیہ سے مزین کرنے کا کیا مفہوم ہے اور یہ بات احکامِ الٰہی کے مکمل اتباع کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یہ احکام پوری حیاتِ انسانی کا احاطہ کر لیتے ہیں، جنسی طہارت اور پاکیزگی زندگی ہی کا حصہ ہے اور اس کا تعلق رشتوں کے احترام، حرمتوں کے قیام اور بچوں سے لے کر بڑوں تک کی تربیت سے ہے، اس کا رشتہ صاحبانِ خاندان اور ان کے غلاموں اور کنیزوں کے باہمی تعلقات سے

بھی ہے، عبادات ان معاملات اور رشتوں کو ایک روحانیت عطا کرتی ہے اور زمین پر حکومت اہل ایمان کو اس لئے عطا کی جاتی ہے کہ وہ کائنات میں ہر خوف اور فتنہ کو امن وامان میں بدل دیں۔ (۱۲)

سورۃ النور کی آخری آیت میں باہمی کھانے، غیر مسکونہ مکانوں میں داخلے اور نبی اکرم ﷺ کے ان حقوق کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے ذمے ہیں۔

سورۃ النور سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ اخلاق کا تعلق زندگی کے کسی ایک شعبے سے نہیں ہوتا بلکہ اخلاقی ضابطے پوری زندگی کا احاطہ کر لیتے ہیں اور ایک پہلو کا تعلق دوسرے پہلو سے ہوتا ہے۔ جنسی اخلاق کا رشتہ رہن سہن، ایک دوسرے کے لحاظ، مختلف اوقات کے مناسب لباس اور خلوت کے احترام سے ہے۔

اسلامی نظام اخلاق، نظام معاشرت، نظام جرم وسزا، نظام معاملات کس طرح دین ودنیا کا احاطہ کرتے ہیں، یہ ایک مستقل موضوع مطالعہ ہے۔ زندگی کے تمام پہلوؤں اور جزئیات کو اس وحدت سے متعلق کر دینا بنیادی نکتہ ہے جسے اسلام کہتے ہیں۔

یہ ہے قرآن حکیم کے اس ارشاد کی مختصر سی تفہیم کہ واقعہ افک میں بھی مسلمانوں کے لئے خیر تھا، شر سے خیر کو یوں اُبھارنا اسی رب کائنات کا کام ہے جو راتوں کو پھاڑ کر صبح کے نور کی تخلیق کرتا ہے۔

صلح حدیبیہ۔ فتح مبین

صلح کے داعیٔ اعظم نے جنگ کے امکان کو شکست دے دی۔

ہجرت کے چھٹے سال ہی سے عرب کی فضا اور ماحول میں اسلام کی نصرت کے تمام آثار پیدا ہو چلے تھے۔ مسجد الحرام اور خانۂ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ پہلے ہی قرار دیا جا چکا تھا۔ تبدیلیٔ قبلہ میں نبی اکرم ﷺ کی آرزوؤں کا بہت کچھ دخل تھا۔ ہر نماز کے وقت یہ تمنا آپ کے دل میں جاگ اٹھتی کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ ان کا قبلہ ہو جائے۔ رسول کی ہر تمنا اور آرزو کا سبب غلبۂ دین ہی ہوتا ہے اور تحویل قبلہ سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آ گئی، کہ یہود اقوامِ عالم کی پیشوائی کے منصب سے معزول کئے جا چکے ہیں اور یہ پیشوائی اب بنو اسماعیل کے سپرد کی جا رہی ہے۔

اس پس منظر میں نبی اکرم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں اور عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ نبی کا خواب بھی اس کی نبوت کا حصہ ہوتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خواب سے اصحابِ باصفا کو مطلع فرمایا۔ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، یہ اپنے مرکزِ اول

کی طرف اسلام کا سفر تھا، صحابۂ کرام نے اپنے آپ کو اس سفر کے تیار کرنا شروع کر دیا۔ گرد و نواح کے علاقوں میں بھی اعلان کرا دیا گیا کہ جو چاہیں وہ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں، پھر آپ یکم ذی قعدہ ۶ ھ کو عمرہ کے لئے مدینۂ منورہ سے روانہ ہو گئے، اسلام میں ہر دن سعید اور مبارک ہے، لیکن یہ بات اتفاق سے کچھ زیادہ ہی ہے کہ حیاتِ نبوی میں دوشنبہ کے دن کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یکم ذی قعدہ ۶ ھ کو بھی دوشنبہ کا دن تھا۔ اس قافلۂ سعادت آثار میں کم و بیش پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم رسول قبلتین ﷺ کے ساتھ تھے، مقصد سفر ادائی عمرہ تھا اس لئے ان قدسی نفس انسانوں کے پاس تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ سفر حضر میں تلوار ساتھ رکھنا عرب کا دستور بھی تھا اور طویل سفر کے لئے ضروری بھی تھا۔

مسلمانوں کا یہ سفر زیارتِ بیت اللہ اور عمرے کے لئے تھا۔ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے۔ پھر عمرے کی ادائی کی خبر عام ہو چکی تھی اور اب قافلۂ اسلام، امن و سلام کے فروغ دینے کے لئے بیت السلام کی طرف رواں تھا، قریش بھی اس سفر سے باخبر تھے اور ان کی اسلام دشمنی کا پہلو یہ بھی تھا کہ وہ مسلمانوں کو مسجد الحرام اور ام القریٰ تک پہنچے سے ہر قیمت پر روکنا چاہتے تھے، قبیلہ کعب بن لوئ اور اس کے حلیف قبیلے اس کو روکنے کے لے اور جنگ کے لئے جمع ہوئے۔ نبئ سلام و رحمۃ نے ان سے بچ کر اور راہ بدل کر سفر جاری رکھا۔ قریش ذی طویٰ کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے منتظر تھے تا کہ انہیں قوت سے روکا جا سکے، خالد بن ولید مکہ جانے والی شاہراہ پر اپنے دستے کے ساتھ جنگ کے لئے موجود تھے، حضور ﷺ نے اس راستے کو چھوڑ کر پر پیچ پہاڑی دشوار گزار راستہ اختیار کیا اور یوں حدیبیہ تک پہنچ گئے، کائنات کے لئے امن و صلح اور سلامتی کا پیغام لانے والے رسول نے اپنی زندگی کے ہر مرحلے اور منزل میں جنگ اور خون ریزی سے بچنے کی ہر سعی کی اور آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا کوئی غیر مسلم مبصر یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے کسی مسئلے کو اپنی انا کا مسئلہ بنایا۔ آپ کو مرتبۂ رسالت پر فائز کرنے والے اللہ نے غرض، مفاد اور انا کے عنصر سے آپ کی ذات کو پاک بنا دیا تھا۔

حدیبیہ میں بدیل بن ورقا (قبیلہ خزاعہ) اور حلیس بن علقمہ نے سفارت کاری کے ذریعے معاملے کو حل کرنا چاہا، پھر عروہ بن مسعود ثقفی آپ کے پاس آیا، اس نے صحابۂ کرام کے بارے میں نازیبا باتیں کہیں لیکن حضور ﷺ نے نفرت کی آگ پر محبت کی شبنم چھڑکی اور فرمایا کہ مقررہ مدت کے لئے جنگ کا ارادہ ختم کر دو لیکن قریش کے عاقبت نا اندیش نوجوانوں نے جنگ کی آگ بھڑکانے کے لئے ایک رات مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن اسلامی خیمہ گاہ کے محافظوں کے کماندار محمد بن مسلمہ نے ان کو گرفتار کر لیا۔ جب ان قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے انہیں معاف

کرتے ہوئے آزاد فرما دیا کیونکہ ان جنگی مجرموں کے قتل سے آپ کے ارادۂ عمرہ اور صلح پسندی پر ضرب لگتی۔ قرآن حکیم میں اس واقعے کی طرف یوں اشارہ فرمایا گیا:

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ (۱۳)

اور وہی (اللہ) ہے جس نے بطن مکہ (خاص مکہ) میں ان کے (کافروں کے) ہاتھوں کو تم اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا، اس کے بعد کہ اس نے تم کو ان پر غلبہ عطا کر دیا تھا اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مصالحانہ کوششوں کا یہ نقطۂ آخر نہیں تھا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس اپنے سفیر کے طور پر بھیجا تا کہ قریش پر بات واضح ہو جائے کہ آپ محض عمرے کی ادائی کے لئے تشریف لائے ہیں، اس موقع پر سعید بن عاص نے آپؓ کو اپنی پناہ میں لیا اور حضرت عثمان نے بڑی قوت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا موقف قریش تک پہنچا دیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے فرضِ سفارت کو ادا کر چکے تو قریش نے آپ کو بیت اللہ کے طواف کی دعوت دی مگر آپ نے یہ کہتے ہوئے دعوت مسترد کر دی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے نبی (ﷺ) سے پہلے طواف کر لوں اور یہ میرے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ بھی زیادتی ہوگی۔ وہ اخلاق اور بے غرضی جو رگ و پے میں سرایت کر چکی ہو اس کا اظہار لمبی چوڑی تقریروں سے نہیں بلکہ ایسے اعمال سے ہوتا ہے، مسلمان تو اپنے نبی کو اپنے نفس اور جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور رکھتے ہیں۔

مکۂ معظمہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قیام طویل ہو گیا کیونکہ قریش چاہتے تھے کہ باہمی مشورے کے بعد حضرت عثمان کو ان کے پیغام کا حتمی جواب دے سکیں، اس تاخیر کی وجہ سے مسلمانوں تک یہ افواہ پہنچی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ ان اعصاب شکن حالات اور ماحول میں یہ افواہ ایک حقیقت معلوم ہوتی تھی، صحابۂ کرام کے پاس تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا، نہ نیزے، نہ تیر کمان، اور دفاع کے لئے خود تھے، نہ زرہ بکتر۔ انتہاء یہ ہے کہ ڈھالیں تک نہیں تھیں، لیکن یہ ''بدلی ہوئی صورت حال'' مسلمانوں کے لئے ایک امتحان تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اپنے مقاصد کے مقابلے میں زندگی بہت حقیر چیز لگتی تھی۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اب جنگ ہم پر واجب ہو گئی، پھر صحابۂ کرام نے ایک درخت کے نیچے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، آخری دم تک جہاد کرنے کی بیعت اور موت تک جہاد کرنے کی بیعت۔ یہی بیعت بیعتِ رضوان کہلاتی ہے۔ وہ بیعت جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب بنی۔ وہ

صحابی جنہوں نے اس موقع پر بیعت کی انہیں اصحاب رضوان یا اصحاب بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے، اور ان کو جماعتِ صحابہ میں بڑی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی جان کی قیمت پر عہد کیا تھا، ادھر یہ بیعت پوری ہوئی اور ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بخیر و عافیت واپس آ گئے اس بیعت کا ذکر قرآن حکیم میں جس انداز سے کیا گیا ہے اس سے اس بیعت کی اہمیت اور بیعت کرنے والوں کے مرتبے کا اندازہ ہوسکتا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا O وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا O (۱۴)

یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ نے اسے معلوم کرلیا اور ان پر اس نے سکون اور اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی اور بہت سی غنیمتیں جو وہ حاصل کریں گے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ہم سورۃ الفتح کا حوالہ صلح نامۂ حدیبیہ کے بعد دینا چاہتے تھے لیکن سلسلۂ کلام میں وہ مرحلہ آ گیا کہ یہ حوالہ ناگزیر ہوگیا۔ یہ سورہ حدیبیہ سے واپسی کے وقت نازل ہوئی اور اس سے صحابۂ کرام کے قلوب کو اطمینان حاصل ہوا جو صلح نامہ حدیبیہ کے امکانات کو سمجھ نہ پائے تھے اور اس صلح نامے میں انہیں قریش کی فتح نظر آئی تھی۔ رب جلیل نے انہیں بتایا کہ یہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی فتح تھی اور وہ بھی فتح مبین۔ اسی کے ساتھ ساتھ سورہ الفتح میں قریب کی فتح کا مژدہ سنایا گیا۔ اس سے مراد خیبر کی فتح تھی، فتح خیبر صلح حدیبیہ کا تتمہ ہے۔ اسی لئے خیبر کے معرکے میں صرف اصحابِ بیعت رضوان کو شرکت کی اجازت دی گئی اور اس معرکے کی غنیمتوں میں ان کے سوا اور کوئی حق دار نہ ٹھہرا۔ مستقبل کا ذکر ماضی کے صیغے میں کیا گیا، یہ انتہائی قطعیت کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ ہونے والے واقعے کو ماضی کے واقعے کے طور پر بیان کیا گیا۔

آیئے اب صلح نامہ حدیبیہ کی طرف مراجعت کریں، حضرت عثمان کی سفارت کے نتیجے میں قریش نے سہیل بن عمرو کو معاملاتِ صلح کی ترتیب و تکمیل کے لئے بھیجا۔ سہیل کو ایک بات کی تاکید کی گئی تھی کہ مسلمان اس سال عمرے کے بغیر واپس جائیں، اگلے سال آئیں، وہ چاہتے تھے کہ عرب کے دوسرے قبیلوں کے سامنے انہیں خفت نہ اٹھانی پڑے کہ مسلمان ان کی اجازت کے بغیر بلدِ امین میں داخل ہوگئے، صلح نامے کی شرائط یہ تھیں:

۱۔ مسلمان اس سال عمرے کے بغیر واپس جائیں، اگلے سال وہ عمرے کے لئے آئیں۔

۲۔فریقین دس سال تک امن کے عالم میں رہیں، دس سال تک جنگ بندی کا پورا احترام کیا جائے۔

۳۔عرب کے قبیلوں کو اس بات کی آزادی ہوگی کہ وہ مسلمانوں اور قریش میں جس کے چاہیں اس کے حلیف بن جائیں اور اگر حلیف قبیلوں میں سے کسی کے ساتھ زیادتی کی جائے تو وہ مسلمانوں یا قریش کے ساتھ زیادتی سمجھی جائے گی۔

۴۔دس سال کے عرصے میں اگر کوئی مسلمان پناہ لینے کے لئے قریش کے پاس پہنچے گا تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے، لیکن اگر قریش کا کوئی آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آئے گا تو اسے مکہ واپس بھیج دیا جائے گا۔

اس صلح نامہ کی تحریر کے سلسلے میں سہیل نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد رسول اللہ کے لکھنے پر اعتراض کیا، نبی آخر الزماں ﷺ نے صلح نامے میں قریش کے اعتراض کے مطابق ترمیم کر دی۔ اسی طرح ابو جندل کے معاملے میں بھی کمال تحمل سے کام لیا گیا۔

عمرے سے محرومی کے سبب مسلمان اس بات پر بھی غور نہ کر سکے کہ صلح نامہ کے لئے تیار ہو کر قریش نے مسلمانوں کو برابر کی طاقت تسلیم کر لیا تھا، دس سال تک جنگ بندی کی دفعہ اور قبائلِ عرب کو محمد ﷺ اور قریش میں سے کسی ایک کا حلیف بن جانے کی اجازت فریقین کو مساوی الحیثیت کو تسلیم کرنے کے مرادف تھی۔ اس دفعہ سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ دوسرے قبیلوں کو مسلمانوں کے حلیف بننے میں دنیاوی مفادات حاصل ہو سکتے تھے۔ اب مسلمان ایسی قوت بن چکے تھے کہ وہ اپنے حلیفوں کے مفادات کا تحفظ کر سکیں۔ اس صلح نامے کے بعد بنو خزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا، یہ قبیلہ جناب عبدالمطلب کے عہد سے بنو ہاشم کا حلیف تھا، یوں اس نے نئے حالات میں نبی اکرم ﷺ کو بنو ہاشم کا نمائندہ اور ترجمان مان لیا۔

صلح نامہ میں دس سال تک جنگ بندی کی دفعہ قریش کا اعترافِ شکست تھی، کیونکہ ہر بار جنگ کی ابتدا قریش کی طرف سے ہوئی تھی اور جنگ بندی کی دفعہ کے ذریعے انہوں نے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا تھا اور یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ وہ ایک طویل مدت تک جنگ کے قابل نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ الفتح میں مسلمانوں سے عمرے کا وعدہ کر کے رسول اللہ ﷺ کے خواب کی تصدیق کر دی۔ رسول کا خواب تو سچا تھا، حق تھا لیکن اس کے وقت کے تعین میں ان کا اندازہ صحیح نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے عمرے کو اس کے دین کے غلبے کی علامت بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا، سو اللہ کا کلمہ غالب آکر رہا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ

اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ لا مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لا لَا تَخَافُوْنَ ط فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًاO هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاO (۱۵)

یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا کہ ان شاء اللہ تم امن و امان کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہو گے، اپنے سر کے بال منڈواتے ہوئے اور کتراتے ہوئے، ہر خوف سے بے نیاز ہو کر اور تم جو نہیں جانتے وہ اللہ جانتا ہے، پس اس نے اس سے پہلے ایک قریب کی فتح عنایت کی۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ وہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اور اللہ (ان حقائق کی) شہادت کے لئے کافی ہے۔

اس فتح مبین، اس صلح نامے اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے غلبے، اور آنے والی فتوحات یعنی فتح خیبر اور فتح مکہ کا تعلق مسلمانوں کی اخلاقی تربیت، ان کے اخلاق اعلیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی رفاقت اور قربت سے ہے، سورہ الفتح کا اختتام اسی نکتے پر ہوتا ہے۔ صلح نامۂ حدیبیہ کے مضمرات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمان جس ذہنی کیفیت سے گزرے تھے اس کا علاج رسول اللہ ﷺ کی رفاقت، ان کی معیت اور ان کے اتباع سے ہوا۔ یہ فتح اصحاب محمد ﷺ کی ہو یہ فتح، ہر کامرانی ان کے تتبع کا نتیجہ تھی۔ حضور ﷺ کی اخلاقی تربیت نے انہیں اپنے اہل ایمان ساتھیوں کے لئے ریشم کی طرح نرم اور رزم حق و باطل میں کفر کے لئے فولاد بنا دیا تھا۔ ان کے رکوع و سجود نے اس زمین کو آسمان کی رفعتیں عطا کی تھیں۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے چمکتے دمکتے نقوش میں ہر دور کے اہل ایمان کی عبادتوں کا حاصل نظر آتا تھا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ صلے وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ قف كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًاO (۱۶)

محمد رسول (ﷺ) اور ان کے ساتھی، کافروں پر (ان کے کفر کے سبب) سخت ہیں اور آپس میں رحیم ہیں، تم انہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے (اور عبادتوں کے ساتھ ساتھ) انہیں اللہ کے فضل کی جستجو میں مصروف پاؤ گے، سجدوں کے نشانات ان کے

چہروں پر چمک رہے ہیں، جو ان کی شناخت ہیں ان کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی اور وہ گدرائی اور پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، یہ کھیتی کاشت کرنے والے (اہل ایمان) کو خوش کرتی ہے اور کافر غصے میں جلنے بھننے لگتے ہیں، ان اہل ایمان اور نیک کام کرنے والوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

صحابۂ کرام ایک دوسرے کے لئے جس طرح شفیق تھے اس شفقت کا تعلق بھی ان کے اس قلبی مکی اتحاد سے تھا جو ایمان کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا۔ چہروں پر آثار سجود سے مراد نیکی، حسنِ اخلاق اور نرمی ہے جو انسان کے باطن کی طرح اس کے چہرے کے نقوش کو بھی بدل دیتی ہے، اور ان اہل ایمان کو دیکھ کر آدمی کو خدا یاد آجاتا ہے، کیونکہ ہمارا رب ہی ہر سعادت اور نیک بختی کا منبع ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کے یہ نشانات تورات وانجیل میں بیان کے جاچکے ہیں جو ان آسمانی کتابوں میں تحریف کرنے والوں نے گم کر دیئے۔ ایمان اور اہل ایمان کے لئے کھیتی کی مثال انجیل مقدس میں بھی موجود ہے۔ یہ ایمان میں اضافے کی بات ایک نامیاتی تمثیل ہے۔

فتح خیبر، حدیبیہ کی تکمیل

جیسا کہ سطورِ گزشتہ میں کہا گیا ہے کہ سورۃ الفتح میں جو ''قریبی فتح'' کی پیشین گوئی کی گئی ہے وہ خیبر کی فتح ہے اور اِس غزوے میں صرف اصحاب بیعتِ رضوان کو شرکت کی اجازت دی گئی تھی۔

صلحِ حدیبیہ کے بعد قریش کی طرف سے پیش قدمی اور جارحیت کا کوئی امکان نہیں رہ گیا تھا، لیکن یہودیوں کی سازشوں کے امکانات حقیقی تھے اور ان کی گزشتہ تاریخ اس پر گواہ تھی۔ خیبر کی یہودی بستی مدینۂ منورہ سے بہت دور نہیں تھی۔ فاصلہ سو میل سے بھی کم۔ یہودیوں کے مخبر مدینہ اور مسلمانوں کی خبریں خیبر تک پہنچاتے رہتے تھے۔ یہی خیبر والے تھے جنہوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر مشرکوں کے گروہوں کو متحد کیا تھا اور انہیں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا تھا۔ اب مدینے کی اسلامی ریاست کو ان کی سازشوں سے ہمیشہ کے لئے بچانے کا وقت آگیا تھا۔ حدیبیہ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ کا مہینہ مدینۂ منورہ میں گزارا اور محرم کے ابتدائی دنوں کے بعد اپنے تقریباً پندرہ سو ساتھیوں کے ساتھ خیبر کا رخ کیا۔ یہ وہ ساتھی تھے جنہوں نے درخت کے نیچے اپنی زندگی کی قیمت پر راہِ حق میں جہاد کرنے پر بیعت کی تھی۔ جب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ السلام خیبر کے لئے اپنے تقریباً پندرہ سو اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے تو

وہ لوگ بھی شریک ہونے کے لئے بے تابی کا اظہار کرنے لگے جو عمرے کے لئے روانہ ہونے سے کنارہ کشی اختیار کر گئے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے، کیونکہ اپنے تمام تر نفاق یا ایمان کی کمزوریوں کے باوجود وہ اس زبانی وعدے سے آگاہ تھے کہ وَعَدَ كُمُ اللّٰهُ مَغانِمَ كثيرةً (۱۷) (اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیموں کا وعدہ کیا ہے)۔ ''پیچھے رہ جانے والے'' ذوقِ جہاد سے سرشار ہو کر خیبر جانے کے لئے بے قرار نہ تھے بلکہ غنیمت میں حصہ دار بننے کے لیے، لیکن اسی سورۃ فتح میں ان لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم بھی دے دیا گیا تھا کہ ان لوگوں کو ساتھ نہ لینا۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (۱۸)

جب تم مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جانے لگو گے تو یہ پیچھے رہ جانے والے تم سے کہیں گے کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔ ان سے کہہ دینا کہ تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ پہلے ہی یہ فرما چکا ہے۔ یہ (مخلفین) کہیں گے کہ تم لوگ ہم سے حسد کر رہے ہو۔ یہ لوگ حقیقت اور صحیح بات کو کم سمجھتے ہیں۔

زمانوں کا خالق یوں حقائق کو واضح کرنے کے لئے ماضی و حال کو ہم رشتہ فرما دیتا ہے۔ آنے والے واقعے کے لئے حضور ﷺ کو پہلے ہی حکم عطا کیا گیا۔ اور ان منافقوں کی ذہنیت کا اندازہ ان کے ردِ عمل سے ہوتا ہے۔ انہوں نے اجازت نہ ملنے پر کہا تو یہ کہا ''تحسدوننا''۔ تم ہم سے حسد کرتے ہو، جلتے ہو۔ ایک طرف تو مسلمانوں کے ساتھ ان کا یہ رویہ تو دوسری طرف وہ خیبر کے یہودیوں کو مدینہ کی ساری خبریں بھیج رہے تھے۔ عبداللہ بن اُبیّ نے خیبر والوں کو پیغام بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ پندرہ سو ساتھی ہیں جو تمہاری طرف پیش قدمی کریں گے۔ ان کے پاس معمولی ہتھیار ہیں۔ تمہاری جمعیت ان سے کہیں زیادہ ہے۔ تمہارے ہتھیار بھی ان کے ہتھیاروں سے بہت بہتر ہیں۔ تم گھبرانا نہیں۔ شاید مسلمانوں کی شامت ہی انہیں خیبر کی طرف بلا رہی ہے۔

یہودیوں نے اس اطلاع کے ملتے ہی بنی غطفان کے پاس اپنے ایلچی بھیج دیئے کہ وہ ان کے حلیف اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ انہیں یہ پیش کش بھی کی گئی کہ مسلمانوں پر غلبے کی صورت میں خیبر کی آدھی پیداوار ان کو دی جائے گی۔ بنی غطفان والے خیبر کے لئے نکل چکے تھے لیکن ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ان کو اپنی بستی پر مسلمانوں کے حملے کا یقین ہو گیا اور وہ خیبر جانے سے رک گئے۔ بیشک اللہ کی

تدبیر کافروں کی چال کو بے اثر بنا دیتی ہے۔

اہلِ ایمان کے سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان داری میں اسلامیوں کا لشکر رات کے وقت خیبر کے نواح میں پہنچ گیا۔ امن وصلح کا داعیٔ اعظم کبھی رات کو کسی بستی کا رخ نہیں کرتا تھا، حملہ تو دور کی بات ہے۔ زندگی کا ہر پہلو اور معاملہ اخلاقیات کے تابع تھا۔ رات اللہ نے راحت اور سکون کے لئے بنائی ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقام پر مختلف سیاق وسباق میں یہ بات فرمائی گئی ہے۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ O (۱۹)

وہ صبح کو (اندھیرے سے) پھاڑ کر نکالنے والا ہے۔ اور اس نے رات کو آرام اور راحت کے لئے بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے (اور حساب کے لئے بنایا ہے)۔ یہ قادر اور علم والے اللہ کی ٹھہرائی ہوئی بات ہے۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ O (۲۰)

وہی ہے جس نے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن تمہارے دیکھنے بھالنے (اور کام) کے لئے بنایا۔ بیشک اس بات میں سننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

جس ذات گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ آیات نازل ہوئیں اس سے زیادہ اس حکمتِ الٰہی اور رات کے سکون کو اور کون جان سکتا تھا۔ پھر وہ رسول کس طرح رات کے سکون اور راحت کو جنگ کے ہنگامے میں بدل سکتا تھا۔ اور رات کے اس احترام کا رشتہ کائنات کے حساب سے جڑا ہوا ہے۔ رات کی راحت اور دن کی دیکھ بھال، ہماری اطاعت (سمع) سے ہم رشتہ ہے۔

اگلی صبح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی طرف پیش قدمی فرمائی اور خیبر کی بستی نظر آنے لگی تو آپ نے دعا فرمائی اور اس دعا میں یہ الفاظ بھی تھے

نسالکَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَ خَيْرَ اَهْلِهَا و خَيرَ مَا فيها (۲۱)

اے ہمارے رب! ہم تجھ سے اس بستی کی خیر اور اس بستی کے رہنے والوں کی خیر، اور جو کچھ اس بستی میں ہے اس کی خیر کا سوال کرتے ہیں۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کا عجب پہلو ہے جو جہاد کو ملک گیری سے ممیز کرتا ہے اور نبوت کی عظمت کا اشاریہ ہے۔ یہ کیسا حملہ آور ہے جو اس بستی کے لئے دعائے خیر کر رہا ہے جس کو فتح

کرنے آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کی کہکشاں دارِارقم اور شعب ابی طالب سے لے کر فتح مکہ اور طائف وحنین کے معرکوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے سالار کی قیادت میں ناعم، صعب، زبیر اور نزار کے قلعے فتح کر لیے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے کتیبہ کے علاقے کا محاصرہ کر لیا۔ اس علاقے کے قلعوں کے یہود کے پاس رسد اور غلے کی کمی نہ تھی۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر منجنیق نصب فرمانے کا ارادہ تھا۔ آپ کے اس ارادے نے یہود کو ہلا دیا اور انہیں اپنی مکمل تباہی اور شکست نظر آنے لگی تو انہوں نے صلح کے لئے سلسلۂ جنبانی شروع کی۔ ابوالحقیق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صلح کی شرائط طے ہوگئیں کہ یہود فوجیوں کی جان بخشی کی جائے گی۔ ان کے بال بچوں کو لونڈی غلام نہیں بنایا جائے گا، یہود اپنے باغ، اپنی زمینیں، سونا چاندی، گھوڑے، زرہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیں گے اور صرف اتنا استعمالی اور گھریلو سامان اپنے ساتھ لے جائیں گے جو ان کی سواریوں پر آسکیں۔ یوں وہ خیبر سے جلاوطنی پر آمادہ ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ اگر یہود نے چھپ کر یا چوری سے سونا چاندی لے جانے کی کوشش کی تو اللہ اور رسول ان شرائطِ صلح سے بری الذمہ ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شرائط صلح ماضی میں یہود کے برتاؤ، عہد شکنیوں اور سازشوں کے پیش نظر نہایت درجہ عادلانہ اور نرم تھیں۔ اللہ کے رسول نے ہر فتح کے موقع پر انسانی زندگی کی حرمت کو اپنا آئین اور قانون بنا دیا، ہاں بدعہد اور فریب کرنے والوں کو سزا دی گئی اور اپنے اعمال کے نتیجے میں انہیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ صلحِ خیبر کے موقع پر ابوالحقیق کے دونوں بیٹے اپنی بدعہدی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

خیبر کے یہود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد قریشِ مکہ کے پاس پہنچے تھے۔ انہیں لشکر کشی کے لئے مالی امداد فراہم کی اور حملے کی صورت میں دوسرے قبائل کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ غزوۂ خندق کے موقع پر بھی انہوں نے سازشیں کیں اور مشرکین کے ساتھ شریکِ جنگ رہے اور غزوۂ خندق کے بعد بنو قریظہ کو جو سزا دی گئی تو ان کی اسی عہد شکنی کی وجہ سے۔ صلح حدیبیہ کے بعد صرف یہود ہی قیامِ امن کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کے ہمسایہ ملکوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ضروری تھا کہ جنگ کے ہر امکان کو مٹا دیا جائے اور اس کے لئے عہد شکن یہود سے نجات حاصل کرنا لازم تھا۔

یہود کی سرکوبی صلح حدیبیہ کی تکمیل

اللہ پر توکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی اساس تھا۔ خیبر والوں کے پاس دس ہزار فوجی

جوان موجود تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی روشنی میں صرف اصحاب بیعتِ رضوان کو خیبر پر حملہ کرتے ہوئے اپنے ساتھ لیا اور دشمن کی تعداد، اس کی طاقت اور اس کے قلعوں کے استحکام کو قابلِ توجہ نہ سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فتح اور ''مغانم کثیرہ'' کا وعدہ فرما چکا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں مسلمانوں نے دارِارقم اور شعبِ ابی طالب سے لے کر صلح حدیبیہ اور فتحِ خیبر تک کے سارے مراحل طے کرتے ہوئے اپنے دین کی بنیادوں کو سامنے رکھا اور یہ بنیادیں اللہ کی کبریائی کے اعلان اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت تھیں، صحابۂ کرام کی زندگی کا ہر لمحہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی عملی شہادت سے عبارت تھا۔ یہ دونوں شہادتیں دراصل ایک ہی شہادت ہیں اور ان شہادتوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس درجے پر فائز کیا کہ وہ عالمِ انسانیت کو صلاۃ اور فلاح کی دعوت دے سکیں۔

حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح

خیبر کی فتح کے بعد اب اس دعوت کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ تاریخ کا دھارا اور فلاح و کامیابی کا ہر راستہ اسلام کے رخ پر مڑ چکا تھا۔ خیبر کی فتح کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد کی بڑی طاقتوں اور دوسری ریاستوں کے سربراہوں کو فلاح کے نظام کو اپنانے کی دعوت دینے کا آغاز فرمایا۔ آپ کی رسالت اپنی تکمیل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ آپ کو مبعوث فرمانے والے نے آپ کی زبان سے یہ اعلان کروایا تھا

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۲۲)

آپ ﷺ کی رسالت کا مقصد وحدتِ آدم کو ایک بنیاد عطا کرنا تھا، اور یہ بنیاد اطاعتِ رب العالمین تھی۔ اس بنیاد کو زمین اور قوت کے ساتھ ساتھ اخلاقی اساس فراہم کرنا لازم تھا۔

خیبر کی فتح کے ساتھ ایک ایسا واقعہ بھی وابستہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی برتری اور عظمت اور آپ کی بے غرضی کی بے مثال مثال ہے۔ سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے آپ کی خدمتِ اقدس میں زہر آلود بکری بھیجی۔ اس کا منصوبہ نہایت سوچا سمجھا تھا۔ اس نے پہلے یہ معلوم کیا کہ آپ کو کون سا گوشت زیادہ مرغوب ہے۔ جب اسے یہ بات معلوم ہوگئی کہ دست کا گوشت آپ زیادہ رغبت سے نوش فرماتے ہیں اور اس نے بکری کے دست میں زہر بڑی مقدار میں جذب کر دیا۔ آپ نے دست کے گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھا مگر فوراً ہی تھوک دیا۔ گوشت کے اس ٹکڑے نے اپنے زہر آلود ہونے کی اطلاع آپ کو دے دی۔ زینب سے جب پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے اقرار کر دیا اور شرمندہ ہونے کی جگہ یہ

کہا۔ ''میں نے سوچا کہ آپ اگر اللہ کے نبی ہیں تو اللہ آپ کو خبر دیدے گا۔ یہ اپنے اطمینانِ قلب کے لئے تھا''۔ یہ عذر مضحکہ خیز تھا مگر آپ نے اسے قبول کرتے ہوئے اسے معاف فرمادیا۔

بعض روایات کے مطابق اسے قتل کی سزا دی گئی، مگر آپ کو زہر دینے پر نہیں بلکہ حضرت بشیر بن براء نے اس بکری کے گوشت کا ایک نوالہ کھایا اور اس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ زینب کو ان کی موت کی وجہ سے یہ سزا دی گئی۔

دعوت۔ حکمت اور موعظت کے ساتھ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد ہی سے بادشاہوں اور والیوں کے نام خطوط ارسال فرمانے شروع کردیئے۔ یہ خطوط مدینہ کی اسلامی ریاست کے سربراہ کی جانب سے ان حکمرانوں کو بھیجے گئے جن کے علاقے اسلامی ریاست سے قریب تر تھے۔ اس مراسلت کو سرکاری حیثیت عطا کرنے کے لئے آپ نے ایک انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ یہ لفظ تین سطروں میں نقش کیے گئے تھے۔ پہلی اور نچلی سطر میں محمد۔ درمیانی سطر میں رسول اور تیسری مگر سب سے اوپر والی سطر میں جو آنکھوں کے لئے پہلی سطر تھی اللہ۔ محمد کا لفظ آپ کی ذات اور شخصیت کا احاطہ کرتا ہے اور رسول کا لفظ آپ کے مرتبے کا اعلان کرتا تھا اور اس کے بعد اللہ کا لفظ اس ذات کو پیش کرتا ہے جس نے آپ کو اپنا رسول بنایا۔ یہ مہر ہی اس ریاست کی نوعیت اور ماہیت کا منشور تھی۔

اس مہر کو بنانے میں صحابۂ کرام کا مشورہ شامل تھا جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ رفیقانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دور کی سلطنتوں کے آداب اور حکمرانوں کے اندازِ فکر سے کس درجہ باخبر تھے۔ حکمراں انہیں خطوط کو قابلِ التفات سمجھتے تھے جن پر مہر ثبت ہو۔ ان خطوط کو حکمرانوں تک پہنچانے کے لئے جن صحابۂ کرام کا انتخاب کیا گیا وہ فہم و دانش اور معاملہ فہمی میں ممتاز تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اس نکتے پر بھی توجہ دی کہ جو قاصد جس علاقے میں بھیجا جائے وہ اس علاقے اور علاقے والوں کی زبان، تہذیب، اور طرزِ بود و باش سے خوب واقف ہو۔ اس بات کو بھی اہمیت دی گئی کہ قاصد خوش شکل اور خوش گفتار ہو اور اس کی شخصیت اسلام کے جمال و جلال کا اشاریہ ہو۔ اپنی بات دوسروں تک نرمی سے مگر مرعوب ہوئے بغیر پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطوط صاف اور واضح اسلوب میں حق کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہ خط زبان اور مفہوم دونوں کے اعتبار سے واضح ہیں۔ مفہوم واضح، صاف اور بے غبار۔ کہیں لفاظی اور غیر

ضروری آرائش، دعوت و مفہوم کو دھندلاتی نہیں ہے۔ یہ خطوط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث کی نمایاں صفات اپنے دامن میں رکھتے ہیں۔

ان خطوط میں مکتوب الیہ کے ذہنی اور دینی پس منظر کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مکتوب الیہ کو سچے راستے کی طرف بلایا گیا ہے مگر اس طرح کہ اس کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو، اور خط میں مشترک بنیاد (اگر کوئی ہو) پر زور دیا گیا ہے۔ عیسائی بادشاہوں اور علاقوں کے والیوں کے نام خطوط میں قرآنِ کریم کی اس آیت کو دعوت و تبلیغ کی بنیاد بنایا گیا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۲۳)

(اے رسول) آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی منصفانہ بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر (اور مشترک) ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب بنائیں۔ اور اگر (اس بات سے) منہ پھیر لیں تو آپ کہہ دیں کہ تم گواہ رہنا کہ ہم مسلم ہیں۔ کہ ہم (اللہ پرست اور معبودانِ باطل سے لاتعلق)

اس وقت جریج بن متی مصر کا حکمران تھا اور اس کا لقب مقوقس تھا۔ مقوقس کے نام سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ دربارِ مقوقس میں گئے۔ یہ حکمران عیسائی تھا اسی لئے حضرت حاطب نے اسے بتایا کہ اسلام کی دعوت کی سب سے شدید مخالفت مکۂ معظمہ کے قریش نے کی اور سب سے زیادہ سازشیں یہودِ مدینہ اور خیبر نے کیں، اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ نرمی کا اظہار نصاریٰ نے کیا۔ اسلام کے آغاز کے وقت ایک عیسائی عالم نوفل بن ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اس پس منظر کے بیان نے مقوقس کے اندازِ فکر کو متاثر کیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں ایک آنے والے رسول کا انتظار تھا اور وہ اس بات سے بھی واقف تھا کہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی تصدیق کرتی ہیں اور انسان کو پاک اور بہتر بنانا ان تعلیمات کا مقصود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ گرامی اس دردمندی کا اظہار تھا جو ہر انسان کے لئے قلبِ نبوت میں موجود تھی۔ اسلام کی دعوت مقوقس کی سلامتی کے لئے تھی اور اس کو یہ یاد دلایا گیا تھا کہ اہلِ قبط کی سلامتی اور عافیت بھی اس کی ذمہ داری ہے۔

سلام ہر اس ذات پر جو اسلام کی پیروی کرے۔ میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر آپ اسلام قبول کریں گے تو سلامتی آپ کا حصہ بنے گی اور آپ کا اجر دوگنا ہوگا، لیکن اگر آپ نے روگردانی کی تو اہل قبط کا گناہ بھی آپ کے سر ہوگا۔

اور مختصر دعوت کے بعد قرآن مجید کی وہی آیت پیش کی گئی، جو شاہِ حبش کے خط میں درج تھی۔ اللہ کی عبادت وہ مشترک بات تھی جو اس دعوت کا خلاصہ اور بنیادی نکتہ کہی جاسکتی ہے۔

شاہ مقوقس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کا اکرام کیا اور آپ ﷺ کے نام اپنے جوابی خط میں اس نے اعتراف کیا کہ ابھی ایک رسول کو آنا ہے، مگر وہ سمجھتا تھا کہ وہ رسول شام میں مبعوث ہوگا۔ مقوقس نے آپ کی خدمت میں دو کنیزیں بھیجیں۔ ان میں سے ایک حضرت ماریہ قبطیہ کے لئے آزادی اور اسلام کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ ام المومنین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے ابراہیم کی والدہ بننے کا شرف بھی مقدر تھا۔ رسولِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے بہترین اور برگزیدہ نفوس کو کس طرح جمع فرمایا اس پر غور کیجئے تو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ساتھ حضرت بلال حبشی، سلمان فارسی اور صہیب رومی کے علوئے رتبہ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

عیسائی حکمرانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر مکتوب تحریر کرائے کیونکہ وہ رسالت اور سلسلۂ وحی اور توحید سے واقف تھے لیکن شاہِ ایران خسرو پرویز کے نام آپ کے مکتوب گرامی میں اسلام کی بنیادی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

> سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور شہادت دے کہ صرف اللہ ہی عبادت کے لائق ہے، وہ واحد واحد ہے۔ اس کی ربوبیت اور اقتدار میں کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور میں تمام انسانوں کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ تم اسلام قبول کرو گے تو سلامتی پاؤ گے اور اگر تم نے انکار کیا تو اپنی رعایا کا بارِ گناہ تمہارے ذمہ ہوگا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دعوتی خط آپ کی رسالت کی صداقت کے شاہد ہیں۔ ان میں ذاتی منفعت، شخصی برتری اور اپنی اہمیت کے اظہار کا شائبہ تک نہیں۔ اس میں مکتوب الیہ کی سلامتی کی تمنا کسی جذباتیت کے بغیر موجود ہے۔ ان کے انداز و اسلوب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اپنے فرضِ رسالت کی تکمیل کے لئے مکتوب الیہ سے بات کر رہا ہے۔ یہ بات بھی نمایاں ہے کہ لکھے ہوئے الفاظ میں گفتگو کا جوہر پوری طرح موجود ہے اور آپ کے یہ مکتوبات آپ کے خطبات کی ساری خوبیاں اپنے

دامن میں رکھتے ہیں اور دعوت کا یہی انداز اللہ جل جلالہٗ نے تمام انبیا علیہم السلام کو تعلیم کیا ہے۔ یہ اندازِ دعوت رسولوں کا راستہ ہے اور تمام رسولوں اور خصوصاً نبیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''اخلاق'' کا نمایاں جز اور اظہار ہے، کیونکہ کلام متکلم کی ذات وصفات، اخلاق وطرزِ زندگی کی علامت اور اشاریہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت معجزۂ نبوی ہے اور اس فصاحت کی ہم رکاب بلاغت جزوِ رسالت ہے۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں فصاحت و بلاغت کی خوبیاں بے حد تنوع رکھتی ہیں خواہ طویل جملے ہوں یا مختصر خطبات ہوں، یا مکاتیب، ادعیہ ہوں یا روزمرہ کی گفتگو، سوال و جواب ہوں یا مسلسل بیان، کلام بندی کی بے مثال جزالت، سلاست، نظمِ الفاظ، حسنِ ترکیب، یہ سب ہی ایسی خوبیاں ہیں جن کی نظیر بلا مبالغہ کسی دوسرے بشر کے ہاں موجود نہیں۔'' (۲۴)

یہ فصاحت و بلاغت افصح البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور اسی راستے پر صحابۂ کرام بھی چلے۔ آپ کے اخلاق کے دوسرے پہلوؤں کی طرح آپ کا اندازِ تبلیغ بھی آپ کے صحابہ کے کلام و بیان میں ملتا ہے۔ اخلاقِ نبوی کے ہر پہلو نے کس طرح انسانی قلوب اذہان کو متاثر کیا ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ط وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O (۲۵)

آپ کہہ دیجیے کہ یہی میرا راستہ ہے۔ میں اور میرا اتباع کرنے والے پورے اعتماد اور بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلا رہے ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔

دعوت الی اللہ کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اپنی حاجات کے لئے صرف اپنے رب کو پکارنا ہے اور انسانوں کو اپنے رب کی طرف بلانا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا (۲۶)

کہہ دیجیے کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مکتوبات ان تین صفات کا لفظی اظہار ہیں جو آپ کے اخلاق میں بہت نمایاں ہیں۔ حکمت، موعظت اور بہترین انداز۔ حکمت یہ ہے کہ گفتگو میں مخاطب کے ذہنی پس منظر کو سامنے رکھا جائے اور دوسرے شعبہ ہائے حیات میں موقع اور صورتِ حال کا لحاظ رکھا جائے، موعظت میں خیر خواہی کا مفہوم پوری طرح موجود ہے اور بہترین انداز میں عمل یا گفتگو کا سلیقہ۔ گفتگو یا تحریر میں نرم لہجہ بھی ''حسن'' کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو نبی محترم علیہ السلام والصلوٰۃ نے نہایت درجہ کاملیت کے ساتھ اپنایا اور آپ کے مکتوبات اس کے شاہد ہیں۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ O (۲۷)

اپنے رب کے راستے کی طرف انسانوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔ یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں سے خوب واقف ہے اور راہ پانے والے (ہدایت یافتہ) لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

مدینۂ منورہ کا معاشرہ۔ اسلامی اجتماعی اخلاق کا منظر نامہ

سات برسوں کی اس کہانی میں مدینۂ منورہ کے معاشرے کو آپ نے وحی الٰہی اور تعلیماتِ ربانی کی بنیادوں پر تعمیر فرمایا۔ منافقوں سے قطع نظر انصار و مہاجرین کی انفرادی و اجتماعی زندگی ان اخلاقی اقدار کی زندہ مثال تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا کیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کی زندہ تجسیم تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی قبائے ذات کو اخلاقِ الٰہی کے رنگوں سے مزین فرمالیا تھا۔ مدینۂ منورہ میں اسلامی معاشرے کے تین ستون تھے۔ کتاب، میزان اور حدید۔ قرآنِ حکیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اور عالمِ انسانیت کو قیامت تک کے لئے زندگی کے اصول اور قوانین عطا کر دیئے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی خود ایک میزان تھی۔ میزان عدل و قسط، توازن اور اعتدال کی میزان۔ مدینے کے معاشرے میں عدل و انصاف اس سطح پر قائم کیا گیا کہ یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات عدل اور قسط کے ساتھ قائم فرمائی ہے۔ نظامِ حیات انصاف اور عدل کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اور یہ عدل معاشرے میں اجتماعی زندگی کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور انفرادی اور خاندانی زندگی میں بھی یہی عدل توازن برقرار رکھتا ہے۔ اور حدید سے مراد وہ قوت ہے جو معاشرے کی حفاظت کرتی ہے۔ ہر صحت مند اور بالغ مسلمان مدینۂ منورہ میں اسلامی فوج کا سپاہی تھا۔

یہ قوت صرف فوج اور دفاع تک محدود نہ تھی بلکہ مدینے کا معاشرہ ایک وسعت پذیر معاشرہ تھا، جہاں زندگی کے مختلف شعبے صحت مند بنیادوں پر پروان چڑھ رہے تھے اور ہمہ گیر ترقی اور ضبط و نظم مشہود حقیقت بن گئے تھے۔ بازاروں میں مختلف تجارتیں ترقی کر رہی تھیں۔ تجارت کے ساتھ صنعت بھی اپنی جڑ پکڑ رہی تھی۔ ہر پیشہ اور ہر سرگرمی اسلام کے اصولوں اور مزاج کے تابع تھی۔

نظامِ عدل

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی احکام کو معاشرے میں نافذ فرمایا۔ آپ مدینے کی اسلامی

ریاست کے سربراہ اور معاشرے کے سمت نما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب کی بنیاد پر معاشرے میں نظامِ عدل قائم فرمایا، کہ یہ مقصودِ رسالت تھا۔ ہر رسول کو اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مبعوث فرمایا کہ وہ انسانی زندگی کو دانشِ نورانی سے محکم بنیادوں پر استوار کرے، تاکہ دنیا اپنے خالق کے نور سے جگمگا اٹھے۔ قرآن حکیم نے یہ بات مختلف سیاق وسباق میں بار بار بیان فرمائی ہے۔ قرآن حکیم (اور پہلے صحفِ سماوی) کے نزول کے مقاصد ان کتابوں کے مصنف جل جلالہٗ نے بیان فرمادیئے ہیں۔ تزکیہ نفس، اخلاق سازی، انسان سازی کے ساتھ ساتھ اپنے معاملات کو ربانی ہدایات کے مطابق چلانا۔ ہر انسانی قانون، اس قانون کے بنانے والے فرد یا طبقے کے مفاد کا تحفظ کرے گا۔ وہ قانون جو صرف کسی طبقے کے مفادات کے لئے نہ ہوں بلکہ ہر طبقے کے افراد کے مفادات کا یکساں تحفظ کریں، وہی ہو سکتے ہیں جن کا سرچشمہ وہ ذات ہو جس کے لئے ہر طبقہ اور فرد ایک سی حیثیت کا حامل ہو۔ ایک ایسی ذات جو ہر انسان کے ممکنات کی تکمیل کا سامان اپنے قانون کے ذریعے فراہم کرے، اور یہ ذات خالقِ کائنات کے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے۔ اس ذاتِ باری نے نبیوں کو تبشیر اور تنذیر کے ساتھ بھیجا اور انہیں کتابیں اس لئے عطا کی گئیں کہ وہ لوگوں کے اختلافی معاملات کا فیصلہ ان کتابوں کے مطابق کریں۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (۲۸)

اللہ نے انبیائے کرام کو مبشر اور منذر و نذیر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے اختلافی معاملات کا فیصلہ ان کے مطابق کریں۔

آسمانی کتابیں اور خاص طور پر قرآنِ حکیم اس لئے نازل فرمایا گیا کہ انسانوں کے درمیان اسی کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔ انسانی دانش اور فہم زمان و مکاں کے ساتھ ساتھ انسانوں کے مفادات کی اسیر ہے، اسی لئے قانون کا سرچشمہ ایسا ہو جو زمان و مکاں پر حاوی ہو اور انسان کے معاملات خود ساختہ مفادات کے تابع نہ ہوں۔ اللہ کی حکمت سے انکار کرنے والے خود اہل ایمان میں بھی ہو سکتے ہیں، اور یوں وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O (۲۹)

اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (قوانین) کے مطابق حکم اور فیصلے نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ربِ جلیل نے واشگاف انداز میں فرمایا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ ط وَلَا تَكُنْ

لِلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْماً (۳۰)

یقیناً ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ (اپنی) کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو سمجھایا ہے اور خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ ہو جائیں۔

قرآنِ حکیم کی یہ آیت، آیاتِ محکمات میں داخل ہے اور اس کا مفہوم بہت واضح ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا اب اس کا اطلاق مسلمان اولوالامر اور حکام پر ہوگا، وہ ہر مصلحت اور جانب داری سے بالاتر ہو کر انصاف کریں اور کسی رشتے ناتے کو خاطر میں نہ لائیں، لیکن اس آیت کا ایک تاریخی پس منظر ہے جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ریاست کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے آپ کے سامنے ایک مقدمہ پیش کیا گیا جس میں ایک نام نہاد ''مسلمان'' اور ایک یہودی فریق تھے۔ بشر منافق نے ایک زرہ چرائی اور پھر مجبوراً اس نے وہ زرہ ایک یہودی کے گھر میں پھینک دی اور چوری کا الزام اس پر لگایا۔ اس مقدمے کے فیصلے کے لئے بشر نے دشمنِ اسلام اور ممتاز یہودی سردار کعب بن اشرف کا انتخاب کیا کیونکہ اپنے نفاق کی وجہ سے منافق اللہ کے رسول سے کتراتے ہیں۔ اس نفاق کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ منافق اسلامی ریاست کے سربراہ کے دائرۂ اقتدار کو دل سے تسلیم نہیں کرتا تھا۔ لیکن یہودی جو مدینہ کا باشندہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے انداز دیکھ چکا تھا اور آپ کی حق پسندی وحق شناسی کا قائل تھا۔ اس کے زور دینے پر یہ مقدمہ دربارِ رسالت میں پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی اور آپ حقیقت تک پہنچ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

بشر نے ایک نیا فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ اس نے یہودی سے کہا کہ چلو ہم اپنا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کریں۔ اس کا خیال تھا کہ عمرؓ کافروں پر شدید ہیں اور وہ مجھے مسلمان سمجھتے ہوئے فیصلہ میرے حق میں دیں گے۔ دونوں حضرت عمر کی خدمت میں پیش ہوئے اور مقدمہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اپنے بیان میں یہودی نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بھی بتا دیا کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم اس مقدمے کا فیصلہ اس کے حق میں کر چکے ہیں۔ حضرت عمر نے بشر سے دریافت تھا کہ کیا یہ بات سچ ہے؟ بشر کو اعتراف کرنا پڑا۔ حضرت عمر اپنے گھر کے اندر گئے۔ نیام سے تلوار نکالی اور باہر آ کر بشر کی گردن اڑا دی۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنا، دراصل اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت تھا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل کو مدینے کے اسلامی معاشرے میں عام کرنے اور اس کو مستحکم کرنے کے لئے اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت بھی فرمائی۔ انہیں عدل کے بنیادی اصولوں کی

آگاہی عطا کی۔ اس بات کو ان کی فکر اور عمل کا حصہ بنا دیا کہ انصاف کرتے وقت وہ اپنے ذاتی جذبات سے بلند تر ہو جائیں۔ اتنے بلند کہ کوئی رشتہ، کوئی تعلق انصاف کی راہ میں حائل نہ ہو۔ وہ فریقین کی بات پورے تحمل اور صبر اور دل سے سنیں اور شہادتوں پر اپنے فیصلے کی بنیاد رکھیں۔ رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رہنمائی تھی، لیکن آپ نے واضح فرما دیا کہ میں مقدمات کا فیصلہ شہادتوں، بیانات اور صورتِ حال کو دیکھ کر کرتا ہوں اور اگر کوئی غلط شہادت یا کسی کی چرب زبانی میرے فیصلے پر اثر انداز ہو جائے تو بھی حق دار کا حق قیامت تک باقی رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ان کی صلاحیتوں اور اہلیت کے مطابق ذمہ داریاں سونپی تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت قرآن فہمی اور احادیث کی تفہیم اور علمِ قرآن و حدیث کو زندگی کے مسائل پر منطبق کرنے کی صلاحیت کو حاصل تھی۔ مدینے کے معاشرے میں تعلیم و تعلم کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ پہلی اسلامی یونیورسٹی بھی مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الف الف سلاماً میں قائم کی گئی جس کے معلمِ اعظم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس درسگاہ میں ستر سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہمہ وقتی طالب علموں کا درجہ رکھتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے ذوق اور فطری رجحان کے مطابق علم حاصل کر لیتا اصحابِ صُفّہ کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ زندگی کی مختلف سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تفقہ فی الدین حاصل کرنے میں مصروف رہتے۔ یہ عملی سرگرمیاں ان پر زندگی کے مسائل وا کرتیں اور وہ ان مسائل کو معلمِ اعظمِ انسانیت کی رہنمائی میں حال کرتے چنانچہ بعض صحابہ کو اس باب میں دوسروں پر تفوق حاصل تھا اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ دینے کی اجازت حاصل تھی۔ ان صحابۂ کرام میں خلفائے راشدین (ابو بکر و عمر، عثمان و حیدر) کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت حذیفہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

عہدِ غلامی میں دینی اقتدار کا دائرہ محدود ہونے کی وجہ سے دینی اصطلاحوں کے مفہوم بدل جاتے ہیں اور وسعتیں تنگیوں میں بدل جاتی ہیں جیسے برطانوی عہد میں قاضی، نکاح خواں ہو کر رہ گیا اور فتوے شادی، طلاق اور وراثت تک محدود ہو کر رہ گئے۔ اگر حقیقی اسلامی ریاست موجود ہو تو اس میں قاضی کا لقب عام جج سے لے کر عدالتِ عظمیٰ کے چیف جسٹس تک کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اور فتویٰ محض رائے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ فیصلے کا درجہ رکھتا ہے۔

مدینۂ منورہ کے اسلامی معاشرے میں مقرر کردہ صحابہ لوگوں کے معاملات و مقدمات فیصل کرتے

تھے اور ان کے فیصلوں کی اپیل سرورِ کائنات کی عدالتِ عظمیٰ میں کی جاتی تھی۔ یہی نظام خلفائے راشدین کے عہد میں وسیع ہو کر پوری ریاستِ اسلامیہ میں نافذ ہوا۔ خلیفۂ مسلمین کو انتظامی سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ سپریم جج کی حیثیت بھی حاصل تھی۔

آج ہمارے عہد میں انتظامیہ، مقننہ، و نظام انصاف اور فوج کی علیحدگی پر زور دیا جاتا ہے۔ آج کے انسان کی عقلِ حیلہ ساز، خود غرضی اور مفاد پرستی کے پیشِ نظر یہ ایسا کچھ غلط بھی نہیں ہے مگر مکمل علیحدگی ممکن نہیں ہے۔ ہمارے ہاں دعویٰ تو یہی کیا جاتا ہے کہ عدلیہ آزاد ہے مگر عدلیہ کے اختیارات نافذہ کے بغیر یہ علیحدگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ حکومت اور انتظامیہ کا جبر عدالت کو بے بس بنا دیتا ہے۔ چور دروازے کھل جاتے ہیں، فوج وزیراعظم کو معزول کر دیتی ہے اور آئین کو معطل اور یہ سب کچھ قانونِ ضرورت کے تحت کیا جاتا ہے۔ عدالتِ عظمیٰ، اقتدار پر قابض فوجی آمر کی مرضی کے آگے جھک جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیِ الٰہی کی روشنی میں مدینے کے معاشرے کو جو اخلاقی بنیاد عطا کی اس کی گہری چھاپ زندگی کے ہر شعبے پر نظر آتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے، مدینہ کی مملکت کے سربراہ تھے لیکن آپ نے اپنے لئے کوئی مراعات قبول نہیں کیں۔ یہی کیفیت خلفائے راشدین کے عہد میں برقرار رہی۔ انصاف کے سلسلے میں عام شہری اور خلیفہ کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا۔ آج عدالت میں کسی صورت صدرِ مملکت کی حاضری کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا جب کہ کسی معاملے میں اگر خلیفۂ راشدین کو کوئی عام آدمی فریق بنا لیتا تو خلیفہ اپنے آپ کو عدالت میں پیش کر دیتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملات میں اپنے آپ کو اور عام شہری کو برابر سمجھا۔ اس سے زیادہ انصاف اور کیا ہو سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی اعرابی کا قرض تھا۔ اس نے بڑی سختی اور خاصی بے ادبی سے قرض کی ادائی کا مطالبہ کیا۔ صحابۂ کرام نے اسے ڈانٹا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کر رہے ہو۔ بدو نے کہا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں اور اگر اللہ کے رسول میرا حق مجھے نہیں دیں گے تو اور کون دے گا۔ عادلِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ یہ صحیح کہہ رہا ہے۔ تم لوگوں نے صاحبِ حق کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ پھر آپ نے حضرت خولہ بنتِ قیس سے کھجوریں قرض لے کر اس اعرابی کی کھجوروں کا قرض ادا کیا، اور اس کی تالیفِ قلب کے لئے قرض لی ہوئی کھجوروں کے وزن سے زیادہ کھجوریں دیں۔ یہ حیاتِ نبوی ﷺ کا ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن عدل و انصاف کی پوری تاریخ کیا ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے دور میں سرکارِ ختمی مرتبت کے اسوۂ حسنہ اور عدل گستری کو

ہمیشہ اپنے سامنے رکھا اور یہ روایتِ عدل جاری رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان کھجور کے ایک درخت کے سلسلے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ حضرتِ عمر نے اس قضیے کے فیصلے کے لئے ثالثی کی تجویز پیش کی۔ فریقین حضرتِ زید بن حارث کی ثالثی پر رضامند ہوگئے اور دونوں فریق حضرت زید کے گھر گئے۔ حضرت زید نے ان کا استقبال کیا اور پھر حضرت خلیفۃ المسلمین کو اپنے بستر کے سرہانے بیٹھنے کو کہا۔ حضرت عمر نے بیٹھنے کی بجائے حضرتِ زید سے کہا کہ یہ پہلا ظلم ہے جو آپ نے مقدمے کی سماعت سے پہلے میرے مخالف کے ساتھ کیا ہے۔ میں کسی امتیازی سلوک کا حق دار نہیں۔ ہم دونوں فریق ایک ساتھ بیٹھیں گے۔ دونوں ایک ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت ابی بن کعب نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ اصولِ شہادت کے مطابق مدعی علیہ کے لئے قسم کھانی ضروری تھی۔ حضرت زید نے حضرت ابی بن کعب سے کہا کہ وہ امیر المومنین کو قسم کھانے کی زحمت نہ دیں۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ زید! یہ دوسرا ظلم ہے جو آپ میرے مخالف فریق پر کر رہے ہیں۔ اور آپ اچھے اور عادل قاضی اسی وقت بن سکتے ہیں جب عمر اور ایک عام مسلمان میں کوئی فرق نہ کریں۔ اس بات کا حضرت ابن کعب پر اتنا اثر پڑا کہ انہوں نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا۔ عہدِ فاروقی میں ایسے کئی واقعات پیش آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے میں عدل کا مستحکم ادارہ اور نظام قائم تھا اور اسی طرح نظامِ صلاۃ کے قیام کے لئے بھی عہدہ دار متعین کئے جاتے تھے۔ یہ بات صفحاتِ گزشتہ میں مختلف سیاق وسباق میں پیش کی جا چکی ہے کہ نظامِ صلاۃ اسلام کے مجموعی نظام کا استعارہ ہے۔ مسجدِ نبوی کے علاوہ مضافاتِ مدینہ کی مختلف مسجدوں کے لئے اعلیٰ صلاحیتوں والے امام مقرر کئے گئے تھے۔ یہ مسجدیں ضعیفوں اور بیماروں کے لئے ان کے رہائشی علاقوں میں ضروری تھیں۔ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مدینہ منورہ میں کم وبیش نو مساجد تھیں۔ مسجدِ نبوی کے لئے دو مؤذن مقرر کئے گئے تھے۔ حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم۔ یہ مؤذن وقت کا لحاظ کرتے ہوئے مختلف نمازوں کے لئے اذان دیتے تھے اور نمازِ عشاء کے لئے نمازیوں کے اجتماع کا مناسب حد تک انتظار کیا جاتا۔

نماز مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ اور نظم وضبط کا اشاریہ بھی ہے۔ نمازِ باجماعت میں صف بندی کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔ صف میں لوگ برابر برابر کھڑے ہوں، ان کے درمیان خلا نہ ہو۔ صفوں کی درستی کے لئے افسر مقرر تھے۔ ان کے علاوہ کچھ عہدہ دارانِ مسجد کا فریضہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو مسجد میں شوروغل مچانے سے منع کریں۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ دیہاتوں سے آنے والے (اعرابی) معاشرتی آداب سے کم واقف تھے۔ اس باب میں ان کی تربیت ضروری تھی۔

سورۃ جمعہ مدنی آیت ہے اور اس حقیقت کی گواہ کہ بعض نمازی اپنے امامِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بازار کے کھیل تماشے کی طرف مائل ہو جاتے۔

مسجد کی صفائی اور روشنی کے کام بھی مستقل تھے۔ تمام صحابہ کو مسجدِ نبوی عزیز تھی۔ لیکن ان صاحبان کی اپنی مصروفیات تھیں، اس لئے ان کاموں کے لئے مستقل عملے کی ضرورت تھی اور معاشرے کی شیرازہ بندی میں مسلمانوں کی وحدت و اتحاد و تنظیم کے داعی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو بڑی اہمیت دی۔ مسجد اور نماز اسلام کے بنیادی ادارے ہیں۔ ہر نظام میں ادارے (Institutions) خارجی، مادی اور مشہود شکل رکھتے ہیں۔ اسلام ہر نظام سے مختلف ہے۔ اس میں نماز بھی ادارہ ہے اور مسجد بھی ادارہ ہے۔ ایک غیر مادی اور روحانی ادارے (صلوٰۃ) کو ایک مادی اور مشہود ادارے مسجد کے ذریعے معاشرتی اور اجتماعی شکل دی گئی ہے۔ نماز کی حقیقت یہ ہے کہ وہ انسان کو فحش اور منکرات سے بچاتی ہے، یوں اخلاق کی تفسیر، نماز کا مقصد اور اس کی شناخت ہے۔ دوسری طرف نماز، انسان کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرتی ہے۔

مدینۂ منورہ کی شہری ریاست میں ''کاتب'' بھی اہم عہدہ دار تھے۔ کتابت کو اسلام اور اسلامی نظام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ''لکھنا'' اور ''پڑھنا'' دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اپنے باہمی، بالخصوص تجارتی معاملات اور لین دین کو لکھ لیا کریں، اس میں قرض کے معاملات بھی شامل ہیں۔ وصیت کو بھی لکھ لینا، وصیت کے احکام کے نزول سے پہلے فرض قرار دیا گیا تھا۔ کاتبانِ وحی کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سعادت آثار، سعادت نشان جماعت میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ کاتبانِ وحی کے علاوہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی کاتب دوسرے کاموں کے لئے تھے۔ کائنات کا ذہین ترین انسان صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مختلف منصب اور فرائض تفویض کرتے ہوئے ان کی صلاحیتوں کا پورا لحاظ رکھتا تھا۔ جو صحابۂ کرام مختلف قبیلوں کو زیادہ اچھی طرح جانتے تھے اور ان کی ضروریات سے بھی واقف تھے وہ افرادِ قبائل کے احوال لکھنے پر متعین تھے اور اسی کے ساتھ ساتھ قبیلوں کے پانی کی ضروریات کا بھی حساب لکھتے تھے تاکہ چشموں اور کنوؤں کے پانی پر سب کے حقوق منصفانہ ہوں۔ ان محرروں میں حضرت زید بن ارقم اور حضرت ابو العلا بن عقبہ رضی اللہ عنہما شامل تھے۔ کچھ صحابۂ کرام اپنے ساتھیوں کے معاملات کی شرائط اور باہمی معاہدوں کو تحریری شکل دیتے تھے کہ یہ حکم قرآن حکیم کا تھا اور لوگوں میں جھگڑوں اور اختلافات کو روکنے کی ایک صورت تھی۔ ان شرائط اور معاملات کے مرتب کرنے والوں میں حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت حصین بن نمیر شامل تھے۔ یہ کاتب حضرات اموال و میراث کا حساب کتاب بھی لکھتے تھے۔ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں

اور حکمرانوں کو مکتوبات روانہ کئے تو کاتبوں کے انتخاب میں زیادہ سمجھدار اور بہتر خط رکھنے والے کاتب منتخب کئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط، معاہدوں اور دستاویزوں کی کتابت کرانے کے عمل سے اپنی ایک سنت آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کردی۔ اس سے ہمیں درس ملتا ہے کہ دستاویز اور مکتوبات واضح ہوں، ان میں کوئی ابہام نہ ہو، مکتوب الیہ (خطوط) اور فریقین (معاہدات) کا احترام کیا جائے، ان کے درمیان انصاف کا معاملہ کیا جائے۔ ہمارے عہد کی ابلیسی سیاست اور خودغرضیاں ایسے معاہدات مرتب کراتی ہیں کہ بنائے فساد بنیں۔ حالیہ عالمی تاریخ اس پر شاہد ہے، فلسطین اور کشمیر اس کی بدترین مثالیں ہیں کہ مبہم اور ظالمانہ معاہدوں کے ذریعے فلسطینیوں کو بے زمین اور اپنے وطن میں اجنبی اور کشمیری مسلمانوں کو جبر وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ حالیہ اعداد وشمار (ابتدائے مارچ ۲۰۰۷ء) کے مطابق دس لاکھ مسلمان کشمیری خواتین کی عصمت دری کی گئی یا انہیں بیوگی کے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہری ریاستِ مدینہ کے عمل دار اور حکام پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو زندگی کے مختلف شعبوں اور سرگرمیوں کو مرتب اور منظم کرنے والے عمل دار موجود تھے تو اسی کے ساتھ ساتھ ان پر نظر رکھنے والا اور ان کا محاسبہ کرنے والا عملہ بھی موجود تھا اور خفیہ ''پولیس'' بھی موجود تھی جو سرکاری حاکموں کی کارکردگی پر نظر رکھتی تھی۔ قرآن حکیم کے احکام میں یہ حکم اور ہدایت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ عہدے اہل لوگوں کے سپرد کئے جائیں اور لوگوں کا مال حاکموں تک غلط انداز سے نہ پہنچے (رشوت کا سدباب)۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے، دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ ''لعنت'' کا مفہوم وعید ہے اور وعید میں آخرت کے عذاب کے ساتھ ساتھ دنیاوی سزا بھی شامل ہے۔ مالِ حلال اور کسبِ حلال کے سلسلے میں انسان کا ضمیر سب سے سچا اور قوی محاسب ہے۔ خلفائے راشدین ان تحائف کو جو غیر ملکی سفیر دیتے تھے اور جو دوسرے حکمران بھیجتے تھے بیت المال میں داخل کردیتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ تحفے اسلامی ملک کے سربراہ کو بھیجے گئے ہیں، ان کی ذات کو نہیں۔

اجتماعی مالیات میں اہتمام اور احتیاط کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس کا راست تعلق امانت اور دیانت سے ہے۔ وہ رسول جس کا رسالت سے پہلے کا تعارف امانت تھا، اسے اللہ تعالیٰ نے جو دین عطا فرمایا اس میں امانت کو ایک بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ غزوۂ احد میں ایک مجاہد نے کوئی ادنیٰ سی چیز (غالباً رسی کا ٹکڑا یا جوتے کا تسمہ) لے لی اور پھر اس نے شہادت پائی تو اس ''چھوٹی سی'' خیانت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوگئی اور آپ نے فرمایا کہ میں اسے جہنم میں دیکھ رہا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ رضی اللہ عنہ کو بنی سلیم کے محصولات کی وصولی کا عامل مقرر فرمایا۔ جب وہ واپس آئے تو انہوں نے وصول کردہ صدقات کے ایک حصے کے بارے میں کہا کہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم عامل نہ ہوتے تو کیا تمہیں یہ ہدیہ ملتا؟ یہ محصولات کا حصہ ہے اور اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے (۳۱) نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے عاملوں سے آمدنی اور اخراجات کا حساب لیتے تھے تاکہ عام مسلمان کو اس کا پورا حصہ ملے۔ آج ہمارا معاشرہ اس احساسِ دیانت سے محروم ہے۔ لوگوں کو ان کے عہدوں کی وجہ سے جو تحائف، آسانیاں اور روپیہ ملتا ہے، وہ اسے اپنا ''حق'' سمجھتے ہیں اور یوں اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔

حکام وعمال کے محاسبے کا ایک ایسا نظام عادلِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا جو آپ کی سنت کے طور پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عملِ مسلسل بن گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانشینوں نے اسلامی عبادات اور معاشرے میں امن وامان، انصاف اور معاملات کی درستگی کے تعلق کو واضح کر دیا۔ حضرت عمر فاروق اور ان کے بعد آنے والے دونوں سربراہانِ حکومتِ اسلامیہ حج کے موقع پر اطراف وجوانب سے آنے والے مسلمانوں سے ان کے حکام کی کارکردگی اور مختلف علاقوں کے عمومی حالات کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور معلومات حاصل کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر راتوں کو مدینۂ منورہ کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے تاکہ لوگوں کے حالات معلوم کر سکیں۔ انہیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ بہت سے حکام تمام حالات صحیح طور پر دربارِ خلافت میں پیش نہیں کرتے۔ حضرت خلیفۂ ثانی نے اپنے اس عزم کا بھی اظہار فرمایا کہ وہ بشرطِ زندگی مصر، بحرین، کوفہ وبصرہ کا دورہ کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کا بھی لحاظ کرتے تھے کہ حکام وعمال کے خلاف جھوٹی شکایتوں پر کوئی کاروائی نہ کی جائے۔

عدلیہ اور حکام وعمال کے محاسبے کے علاوہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق لوگوں اور پیشہ والوں کا محاسبہ بھی کیا جاتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے ادوار کے مسلمانوں کو اپنے طرزِ عمل سے یہ بتایا کہ کوئی پیشہ اور کوئی انسانی سرگرمی اخلاق کے ضابطوں سے الگ ہو کر معاشرے کی تکمیل و تعمیر صحیح خطوط پر نہیں کر سکتی۔ مدینۂ منورہ میں تجارت اور اس کا سلسلہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ مدینہ کے بازاروں میں غلہ کی منڈیاں تھیں، صراف سونے چاندی اور سکوں کے تبادلے کا کاروبار کر رہے تھے، چمڑے کی رنگائی اور چمڑے کی مصنوعات تیار ہو رہی تھیں، درزی کپڑے سی رہے تھے، کپڑے کی بنائی کی صنعت وجود میں آ چکی تھی، پارچہ فروش کپڑے بیچ رہے تھے، بڑھئی اپنے کاروبار میں مصروف تھے، زندگی

کی آسائشوں کے لئے بھی گنجائش پیدا ہو چکی تھی، عطر فروش خواتین، نسوانی زیورات بنانے والی خواتین اور حنا فروش عورتیں بھی اپنے اپنے دائرے میں تجارت کر رہی تھیں، عمار اور معمار بھی شہر کے پھیلاؤ کو حسن دے رہے تھے۔ یہ تمام تفصیلات علامہ شیخ عبدالحئی الکتانی کی تالیف التراتیب الادرایۃ میں موجود ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ مولانا محمد ابراہیم فیضی سلمہٗ اللہ تعالیٰ ''نظامِ حکومت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے کر چکے ہیں۔ ہمارے قاری اس کتاب کے مطالعے سے نبیٔ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاست مدینہ اور اندازِ زیست کے بارے میں بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان معلومات کو اپنے طور پر ترتیب دے کر اس طرح مطالعہ کریں کہ عہدِ نبوی کا معاشرہ اپنے اخلاقی پہلوؤں کے ساتھ ہمارے سامنے آسکے۔

علامہ خزاعی کی تالیف تخریج الدلالات السمیعہ اور شیخ الکتانی کی تالیف التراتیب الاداریۃ کے بنیادی مصادر کتبِ احادیث ہیں۔ کتبِ احادیث کی وسعت، ہمہ گیری اور جامعیت ایک معجزے سے کم نہیں۔ جس طرح قرآن حکیم تاریخ کی کتاب نہیں ہے مگر اس کے مطالعے سے اقوامِ سابقہ کی عادات، رسوم اور معتقدات ہمارے سامنے آجاتے ہیں اور ہم ان قوموں کو ان کے مساکن میں رہتے، بستے اور اپنے اپنے انجام سے دوچار ہوتے ہوئے دیکھ لیتے ہیں، اسی طرح کتبِ احادیث میں ہمیں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابۂ کرام سخت حالات میں اور دشمنوں سے بھرے ہوئے معاشرے میں ایمان کی شمع روشن کرتے ہوئے، اپنی تعمیر کرتے ہوئے، اپنے کردار سے تاریخ کو بدلتے ہوئے، کفار معاشرے کے اندھیروں میں اضافہ کرتے ہوئے، اپنے بغض اور حسد سے شمعِ حق کو بجھانے کی کوشش کرتے ہوئے اور منافق اپنی منافقت کے جالوں میں خود پھنستے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح مدینۂ منورہ کے اسلامی معاشرے کے خدوخال، سرگرمیاں، زندگی کے طریقے اور اہلِ ایمان کے شب و روز ان مجموعہ ہائے حدیث میں سند، صحت اور قطعیت کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ ماحول اور اندازِ حیات کے مطالعے کے بغیر ان قدسی نفس انسانوں اور ان کے ہادی و رہبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد، آزمائشوں صبر، توکل، اعتماد علی اللہ، ادارہ سازی، معیشت اور عبادت و ریاضت کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ ہمیں صحابہ کرام مسجدِ نبوی میں عبادت کرتے ہوئے، صُفّہ کی درس گاہ میں علم حاصل کرتے ہوئے، مدنیۂ منورہ کے باغات میں اپنے صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تفریح کرتے ہوئے، اپنے مکانوں میں اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ ایک متوازن اور مثالی زندگی گزارتے ہوئے، اپنے بازاروں میں اس طرح وقت گزارتے ہوئے کہ دست بکار و دل بایار کا مفہوم ان کے طرزِ عمل سے آئینہ ہو جائے۔ احادیث کے مجموعے کتابوں، ابواب اور موضوعات کے اعتبار سے مرتب کئے گئے ہیں۔ ہمارے دور میں احادیثِ متعلقہ کی تلاش بہت مشکل کام

نہیں، لیکن احادیث کا مطالعہ عہد نبوی کے لوگوں کے ذہن، اس عہد کے مختلف علوم اور زندگی کے مختلف شعبوں کی تفہیم اور ان کے لئے رہنما اصولوں کی تفتیش وتلاش کے لئے کرنا ایک تخلیقی عمل ہے۔

بخاری شریف کی کتاب البیوع میں مختلف تجارتی پیشوں اور سرگرمیوں کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔ ایک صحابی جن کی کنیت ابوشعیب تھی، ان کا ایک غلام قصاب تھا۔ انہوں نے اپنے قصاب غلام سے کہا کہ ''اتنا کھانا پکاؤ جو پانچ افراد کے لئے کافی ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ چار اور ساتھیوں کو کھانے کی دعوت دی ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو وہ بھی شریکِ طعام ہو جائیں ورنہ واپس چلے جائیں۔ حضرت ابوشعیب نے خوشی سے اجازت دی (۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاب ایک پیشے کا درجہ رکھتے تھے اور وہ کھانا بھی پکاتے تھے۔ کئی معاشرتی نکات بھی اس حدیث میں آ گئے۔ اگر کوئی زائد اور بن بلایا مہمان ہو تو میزبان کی اجازت ضروری ہے ورنہ وہ مہمان ''چور'' بن کر آئے گا اور ''ڈاکو'' بن کر لوٹے گا۔ مہمانوں کی تعداد کا جاننا میزبان کا حق ہے تاکہ اسے خفت اور مہمانوں کو پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ کتاب البیوع کے باب ۱۳۰۳ میں سناری کے پیشے کا تذکرہ ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کو مدینۂ منورہ میں کاٹنے کی اجازت دی کہ وہ کاریگروں کے کام میں استعمال ہوتی تھی۔ اسی طرح حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ عہدِ جاہلیت میں لوہار کا کام کرتے تھے اور عاص بن وائل پر ان کی کچھ رقم نکلتی تھی۔ اس نے قرض کی ادائیگی سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار نہیں کرو گے میں تمہاری رقم نہیں دوں گا۔ اس حدیث سے یہ بات سامنے آئی کہ زندگی کے ہر محاذ اور ہر شعبے میں اسلام کی مخالفت کس طرح قریشِ مکہ کا طریقِ حیات بن گئی تھی۔ حضرت انس بن مالک کی ایک حدیث میں اس دعوت کا ذکر ہے جس میں میزبان ایک درزی تھا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ شوربہ پیش کیا جس میں گوشت کے ساتھ لوکی بھی پڑی ہوئی تھی اور حضور نے لوکی کے قتلے بڑے شوق سے تناول فرمائے۔ اسی طرح کتاب البیوع بخاری میں کپڑا بننے والی خاتون اور بڑھئی کا بھی ذکر ہے اور مویشیوں کے تاجروں کا بھی۔ اسی طرح عطر فروش خواتین کا تذکرہ بھی کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ ان تفصیلات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مدینۂ منورہ میں بازار بھی موجود تھے، بستیوں میں مختلف اشیائے ضرورت کی دکانیں بھی موجود تھیں اور اسی کے ساتھ ساتھ گھر گھر جا کر سودا فروخت کرنے کا رواج تھا، خاص طور پر خواتین کی ضرورت کی چیزیں خواتین بھی فروخت کرتی تھیں۔ یہ نئے بازار عہد نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم ہوئے۔ ''آزاد تجارت''، جس کو اس عالم گیریت کے دور میں بڑی اہمیت ہے، لارڈ رسل کے قول کے مطابق اسلام کا عطیہ ہے۔

مدینۂ منورہ کی مسلم آبادی میں بیشتر مہاجر تجارت پیشہ تھے جنہوں نے مدینے میں تجارت کو فروغ دیا اور تجارت کے وسیلے سے اللہ نے انہیں مالی آسودگی اور فارغ البالی عطا فرمائی۔ کتاب البیوع کے باب ۱۲۷۶ء حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی یہ حدیث ملتی ہے جو ان کی اور مہاجرین کی معاشی سرگرمیوں اور مواخاۃ کے بارے میں ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ جب ہم ہجرت کر کے مکۂ مکرمہ سے مدینۂ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور سعد بن ربیع انصاری کے درمیان مواخاۃ کرادی۔ سعد بن ربیع نے مجھ سے کہا کہ میں انصار کے متمول ترین افراد میں سے ہوں۔ (مواخاۃ کے رشتے کی پاس داری کرتے ہوئے) میں اپنی آدھی دولت آپ کو دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے آپ کو جو پسند ہو اسے میں طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں۔ (اپنے بھائی سعد بن ربیع کی یہ باتیں سن کر میں نے کہا کہ) مجھے ان چیزوں کی الحمدللہ حاجت نہیں۔ آپ مجھے مدینہ میں کسی بازار کی نشاندہی کریں کہ میں کاروبار شروع کر سکوں۔ سعد بن ربیع (رضی اللہ عنہ) نے سوقِ بنوقینقاع کا نام لیا۔ میں گھی اور پنیر لایا اور پھر خرید و فروخت کے لئے بازار جانے لگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں وسعتِ رزق کی دعا فرمائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور دعاؤں کی طرح اس دعا کو یوں قبول فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتے تو سونا بن جاتی۔ قرآنِ مجید کی تعلیمات اور اسوۂ رسول کریم کی پیروی میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انفاقِ فی سبیل اللہ کو اپنا شعار بنالیا، جس کی انتہائی مثالوں کے طور پر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری متاع کو اللہ کے راہ میں دینے اور ایک غریب صحابی کے اپنی ایک دن کی کمائی تھوڑی سی کھجوروں کو ایک غزوے کے چندے میں پیش کرنے کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں تیس ہزار خاندانوں کو غلامی سے آزاد کرایا۔ ایک اور موقع پر آپؓ نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں فروخت کر کے اسے راہِ خدا میں تقسیم کر دیا اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو ہدیۃً پیش کر دیا۔ اس موقع پر صحابۂ کرام کا انفاق فی سبیل اللہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ لیکن مدینۂ منورہ کے اسلامی معاشرے کی اس اقتصادی صورتِ حال کو پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آج کے مسلمان تجارت کی اہمیت کو سمجھ لیں۔ آج سیاسی اور فوجی غلبہ معاشیات کی بنیادوں پر استوار ہے اور معاشیات کی اساس تجارت ہے۔ یہ تجارت، صنعت اور سائنسی

ایجادوں سے پیوستہ اور منسلک ہے۔ اقوامِ عالم میں باعزت جگہ بنانے کے لئے معاشی ترقی اور بین الاقوامی تجارت میں آگے بڑھنا ناگزیر ہے۔ اس بات کو بھی نظر انداز نہ کیجئے کہ اخلاقیات کی ایک محکم بنیاد معاشی خوش حالی اور ترقی ہے اور تجارت اس کا وسیلہ ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم معاشی سرگرمیوں کو ''معاشیات'' ہی نہ سمجھیں بلکہ اسے ''اقتصادیات'' سمجھیں۔ غالباً اس نکتے پر سطورِ گزشتہ میں گفتگو ہو چکی ہے۔ اقتصادیات میں میانہ روی اور اعتدال کا تصور بہت واضح ہے۔ اسلام انسان کو معاشی حیوان نہیں بنانا چاہتا بلکہ اسے اخلاقی وجود کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے عام مسلمانوں کی معاشی صورتِ حال اور معیار کے مطابق زندگی بسر کی، بلکہ ان کی ضروریات کو اپنی ضرورتوں پر ترجیح دی اور ایثار سے کام لیا۔

تجارت کی قوموں کی زندگی میں کیا حیثیت ہے اس کا اندازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیثِ گرامی سے ہوسکتا ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کے رزق کے نو حصے تجارت میں رکھے گئے ہیں اور ایک حصہ دوسرے تمام شعبوں میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تجارتی اصولوں کو پیش کیا جن پر آج کی معاشی زندگی کی اساس قائم ہے۔ یہ انسان کی بدنصیبی ہے کہ وحیٔ الٰہی اور سنتِ رسول سے رشتہ توڑ کر اس نے تجارت کو سود بنا دیا۔ ہمارے اس پیرایۂ اظہار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج کی تجارت سود اساس ہے اور:

سود ایک کا، لاکھوں کے لئے مرگِ مناجات

آج کے گلوتراش تجارتی مقابلوں میں کسی اخلاقی ضابطے کا پاس نہیں کیا جاتا۔

سب سے اہم نکتہ تو ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ معاشرے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اندازِ حیات اور طرزِ عمل سے اُبھر کر سامنے آتا ہے یہ ہے کہ اقتصادی سرگرمیوں کا مقصد قوموں اور افراد کی دنیوی زندگی کو سہل بنانا، اداروں کی تعمیر و تشکیل میں دولت کو صرف کرنا، معاشی طور پر کمزور افراد کے لئے ایسا نظام قائم کرنا ہے کہ وہ دستِ سوال بلند کئے بغیر باعزت زندگی گزار سکیں۔ امدادِ احتیاج مندوں کے لئے جو نظامِ کفالت (support system) سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا وہ بیت المال تھا۔ آج ہمارے ہاں ایسے دولت مندوں اور صاحبانِ ثروت کی کمی نہیں جو زکوٰۃ کے علاوہ اپنی دولت کا خاصا بڑا حصہ صدقات پر صرف کرتے ہیں۔ مدرسوں، یتیم خانوں، بیواؤں کے مساکن کا قیام اور صحت کے بہت سے منصوبے ان کی زکاۃ و صدقات سے چلتے ہیں لیکن پورے عالم اسلام میں (support system) نظر نہیں آتا۔ یوں معاشی زیردستوں میں احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے۔ سماجی تحفظ کا نظام

(social security system) آج مغرب میں ان کی بے انتہا کمزوریوں کے باوجود ہمارے لئے دعوتِ فکر وعمل ہے۔

اسلام کے اقتصادی نظام کا مقصد یہ تھا کہ افرادِ معاشرہ روٹی، کپڑے، مکان سے بے نیاز ہوکر اپنی ذات کی نشو ونما کرسکیں۔ اسلام کا اقتصادی نظام ہر انسان کی کفالت کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا بلکہ ہر ذی حیات کی زندگی اور بقا کے لئے وسائل کی فراہمی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ کا یہ قول وقت کے سمندر کی موجوں پر جیسے رک گیا ہے اور وقت کا سیلِ رواں اسے بہا کر فراموشی کے خلا میں نہیں پھینک سکا کہ اگر دجلہ کے کنارے کوئی اونٹ بھی بھوکا مرجائے تو اس کی ذمہ داری عمر پر ہوگی۔

معاشی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان میں موجود وحدت نے ہمارے مطالعے کے ارتکاز کو متاثر کیا ہے، لیکن اسلام کے اقتصادی نظام کی ہمہ گیریت کی وجہ سے ہم معذور تھے۔ آیئے تجارت کی اہمیت اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تجارت اور اقتصادیات کے تعلق پر ہم اپنے مطالعے کو آگے بڑھاتے ہیں، اور اس سلسلے میں آگے بڑھ کر یہ بھی دیکھیں گے کہ تجارت کو اخلاقِ انسانی کی بنیاد بنانے کے لئے دنیا کے سب سے عادل تاجر صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اقدام کئے۔

تجارت کے حدود، اس کے تقاضوں اور اللہ تعالیٰ سے اس سرگرمی کے رشتے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ (۲۹)

اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال (آپس میں) ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو، اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں رحیم (اور بے حد مہربان) ہے۔

اس آیتِ مبارکہ کا تعلق تجارت سے ہے۔ اس لئے ناجائز طور پر ایک دوسرے کا مال کھانے سے مراد رشوت اور دوسرے ایسے ہی طریقے نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی تجارت میں ناجائز معاملات شامل نہ کرو مثلاً اسلام نے تجارت اور سود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے الگ کردیا ہے۔ اسی طرح قمار بازی تجارت کا جزو نہ بننے پائے۔ آج قمار بازی اور جوئے کو تجارت کے رگ وریشے میں شامل کیا جارہا ہے۔ پھر باہمی رضامندی تجارت کے لئے لازم ہے۔ اس باہمی رضامندی میں تجارتی

شراکت اور ساجھے داری بھی شامل ہے۔ شراکت کی بنیاد ایمان داری، ایک دوسرے کے حق کی پاس داری اور محنت و سرمایہ کا توازن ہے۔ آج بدقسمتی سے مسلمانوں کے تجارتی ادارے باہمی عدم اعتماد کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور باہمی معاہدوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اس باب میں مسلمان خاص طور پر بدنام ہیں۔ تجارت کی ترقی کے لئے امن وامان اور مناسب فضا ناگزیر ہے اور اس شرط کے لئے **لا تقتلوا انفسکم** کے ذریعے ہمیں متوجہ کیا گیا ہے۔ قتلِ نفس سے مراد خودکشی بھی ہوسکتی ہے، مگر اس آیت میں اس کا محل نہیں۔ یہ ایک دوسرے کے مال اور جان کی حرمت اور احترام کا سبق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

معاشی سرگرمیوں اور خوش حالی کی جدوجہد کا مقصد اسلام میں یہ ہے کہ لوگ آسودگی کے لئے اللہ کی یاد، اطاعت وعبادت اور حقوق کی ادائیگی میں مصروف ہوسکیں۔ یہ ایک مشکل مرحلہ ہے۔ سورۃ الجمعہ مدنی سورۃ ہے اور اس تاریخی صورتِ حال کو پیش کرتی ہے کہ مدینۂ منورہ میں ابتداً یہ صورت بھی پیش آئی کہ ایک بار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلے کی آمد کی خبر سن کر بیشتر مصلی خرید و فروخت کے لئے باہر چلے گئے کہ کہیں مالِ تجارت ختم نہ ہو جائے۔ اس واقعے کے پس منظر میں رب العزت نے یہ بتایا ہے کہ اصل زادِ حیات اللہ کی قربت، اور تقویٰ ہے اور یہی مومن کا ''رزق'' ہے۔ معاشی سرگرمیوں کی اہمیت مسلّم مگر اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر ایمان ہی مومن کی شناخت ہے۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۝ (۳۴)

اور جب کوئی تجارتی سرگرمی (اور سودا بکتا ہوا) دیکھتے ہیں یا کوئی تماشا نظر آجاتا ہے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھا رزق پہنچانے والا ہے۔

اس بات پر ایمان لازم ہے کہ ہمارا رازق اور روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے اور ہمارا رزق ہمیں مل کر رہے گا۔ پس اس اللہ کی اطاعت اور اس پر بھروسا ہی ہمارے رزق کو طیب اور بہتر بناتا ہے جس سے جسم کے ساتھ ساتھ ذات کی بھی پرورش ہوتی ہے۔ پھر یہی اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ کوئی تجارت اور کوئی مالی منفعت انہیں ذکرِ الٰہی اور طاعتِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی تھی۔ وہ اللہ کا ذکر کرتے، نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ذریعے معاشرے میں دولت کی گردش کو جاری رکھتے۔ دولت اور خواہشِ زر پر غالب آنے کے دو قوی محرکات تھے۔ ایک تو خیالِ عاقبت اور دوسرے اس بات پر یقین کہ اللہ جسے چاہے اور جتنا چاہے، عطا فرمائے۔ وہ انسانوں کو ان کے ظرف، ان کی ضرورت کے مطابق اور ان کو

آزمانے کے لئے جتنا چاہے دے۔ دولت بھی آزمائش کی ایک صورت ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ O لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ O(۳۵)

ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے، قیامِ صلاۃ سے اور ادائے زکاۃ سے غافل نہیں کرتی، اور جو اس دن سے ڈرتے ہیں جب (انسانوں کے) دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی (اس دن انہیں یقین ہوگا کہ) اللہ ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے اور زیادہ عطا فرمائے گا۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب اور بے شمار رزق عطا فرماتا ہے۔

رزق کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل سے قائم کر کے مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کی گئی۔ خود رزق کو اللہ جل جلالہ کا فضل قرار دیا گیا۔ یوں اقتصادی جدوجہد اور سعی وکوشش عبادتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لئے فریضہ بن گئی اور اسی کے ساتھ ساتھ آزمائش کا ایک حصہ۔ وہ آزمائش جو ہمارے رشتوں پر، ہمارے رہن سہن پر اور تمام مال ومتاع پر حاوی ہے۔ ماں باپ، بیوی بچے، تجارت، حصول مال کے دوسرے وسیلے، کوٹھیاں اور جائیدادیں یہ سب مومن کے راستے میں آزمائشوں کی طرح آتے ہیں اور کبھی کبھی تو اسے اللہ کے راستے میں جہاد اور جدوجہد سے روکتے ہیں۔ جب نفس کی یہ کیفیت ہو جائے تو صاحبِ ایمان کو عذابِ الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان کو ایمان اور اخلاص کے اس درجے پر دیکھنا چاہتا ہے جہاں وہ کہہ سکے کہ

یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں، لا الٰہ الا اللہ

سورۃ التوبہ کی آیات ۲۳ اور ۲۴ پوری انسانی زندگی کے پس منظر، رشتہ وپیوند کے پھیلاؤ اور معاشی جدوجہد اور سرگرمیوں کے مقابلے میں مسلمان کی اس اخلاقی برتری کی منزل کا سراغ دیتی ہیں جس کو اس کے رب نے اس کے لئے مقدر کر دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَO (۳۶)

اے ایمان والو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ تم میں سے جو ان سے محبت رکھے گا، وہی ظالموں اور گناہ گاروں میں سے ہوگا۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے والے اور تمہارے کمائے ہوئے اموال، اور وہ تجارت جس کے خسارے وکساد بازاری سے تم خوف زدہ ہو اور تمہارے (وہ شان دار) مسکن جو تمہیں پسند ہیں، اور یہ تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ (اور عذاب) لے آئے، اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

قرآن مجید کی آیات، احادیثِ نبوی، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے تجارت کے بنیادی اصول، مباہات اور منکرات اور پسندیدہ طرزِ عمل کی تفصیلات بڑی وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور اس بارے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا۔ حرام اور حلال کی حدیں معین ہیں اور مسلمان کی زندگی کے اصول، تجارت کا بھی احاطہ کر لیتے ہیں۔ چند نکات مختصراً پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اسلام نے تجارت اور سود کے درمیان جو فرق قائم کر دیا ہے، وہ ابدی ہے۔ سود کے مضمرات اور خراب عواقب ونتائج پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ آج کے معاشی رجحانات اور سرگرمیاں قوموں کو کس طرح اپنی گرفت میں لے رہی ہیں اور فرد کی سطح پر امیری اور غریبی کا بڑھتا ہوا تفاوت سود کی پیداوار ہے۔ سود کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلاف جنگ قرار دیا۔ اس سلسلے میں سورۃ البقرۃ کی دو آیات کا حوالہ کافی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَO يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ج وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍO (۳۷)

وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے

شیطان کے مس (اور لمس) نے خبطی اور حواس باختہ بنا دیا ہو۔ اس لئے کہ یہ سود خور کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی ربانی ہدایت سن کر رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزرا اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، اور جو پھر دوبارہ حرام کی طرف لوٹا وہ دوزخی ہے اور ایسے لوگ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گناہ گار سے محبت نہیں کرتا۔

۲۔ تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی فرد یا جماعت دوسرے کی مجبوری اور حالات سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔ الدین النصیحۃ۔ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ایک روایت میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ بیچنے والا مالِ تجارت کا عیب نہ چھپائے اور دونوں ایک دوسرے کی خیر خواہی کو پیشِ نظر رکھیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرتا ہے جو فروخت کرتے وقت، خریدتے وقت فیاضی اور وسعت سے کام لیتا ہے (۳۸) کہ یہ بھی خیر خواہی ہے۔

۳۔ جن چیزوں کا کھانا پینا اور استعمال حرام ہے ان کی تجارت بھی حرام ہے اور حرام چیز کی حرمت کی شدت کے پیشِ نظر تجارت کی حرمت میں بھی شدت ہوگی مثلاً شراب حرام ہے اور اس درجہ کہ شراب کی کشید حرام ہے، اس کا لانا اور لے جانا حرام ہے، اس کا خریدنا اور بیچنا حرام ہے، جس دسترخوان پر شراب پی جارہی ہو اس پر کھانا کھانا حرام ہے۔ اور یہ حرمت صرف شراب تک محدود نہیں بلکہ ہر نشہ آور چیز کی تجارت حرام ہے۔ افیون، گھانجا، بھنگ، چرس اور ہیروئن یہ سب اسی حکم کے تحت آتے ہیں۔

۴۔ چیزوں اور بالخصوص کھانے پینے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے، اور خاص طور پر اس غرض سے کہ کسی شئے تجارت کی کمی سے اس کی مانگ میں اضافہ ہو جائے اور اس کی من مانی قیمت ضرورت مند خریداروں سے وصول کی جائے۔ آج تجارت میں یہ چیزیں عام ہیں۔ آج بڑے تاجروں کے گروہ اور سنڈیکیٹ یوں ہی بازار پر اجارہ داری قائم کرتے ہیں اور اس طرح چھوٹی کمپنیوں کا دیوالیہ نکل جاتا ہے اور تجارت کے سمندر میں بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کر جاتی ہیں۔

۵۔ ہر غیر اخلاقی طریقہ اور فیصلہ و تدبیر اسلام میں ممنوع ہے۔ یہ فہرست بہت طویل ہو جائے گی۔ چند باتیں مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ اس بات کو شدید ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے کہ تھوڑے سے مالی فائدے کے لئے تاجر قسمیں کھائیں اور جھوٹی قسم کا وبال تو ظاہر ہے۔ خرید و فروخت میں کسی قسم کے

دھوکے کا دخل نہ ہو۔ یہ بات بھی دھوکے میں شامل ہے کہ اچھا اچھا مال اوپر رکھا جائے اور خراب مال نیچے چھپا دیا جائے، یا کسی مالِ تجارت کے وزن کو بڑھانے کے لئے پانی ڈال دیا جائے اور ناپ تول میں کمی تو ایسا جرم ہے کہ اقوامِ سابقہ میں سے بعض صفحۂ ہستی سے معدوم کر دی گئیں۔ یہ جرم کبائر میں داخل ہے۔ قرآنِ عظیم کی بہت سی آیات اس سلسلے میں شدید وعید کا درجہ رکھتی ہیں۔ سورۃ المطففین کا عنوان ہی اس جرم کی سنگینی کا مظہر ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ O الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ O وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ O اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ O لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ O يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O (۳۹)

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے، کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا ناپ (تول) لیتے ہیں اور جب انہیں دیتے ہیں تو کم ناپ تول کر دیتے ہیں۔ کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد زندہ ہونے کا گمان نہیں، اس عظیم دن کے لیے، جب سارے انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

قرآنِ عظیم نے واضح کر دیا ہے کہ ایسی حرکات میں تو وہی مبتلا ہوتے ہیں جنہیں یومِ حساب کا یقین نہ ہو۔ یومِ جزا پر یقین رکھنے والا مسلمان ہرگز اس خبث میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔

یہ تو ناپ تول میں کمی کرنے والوں کا ذکر تھا۔ اہلِ ایمان کو یہ حکم ایک مختصر آیت میں واضح ترین الفاظ میں دیا گیا ہے۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ O (۴۰)

انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور میزان میں کمی نہ کرو۔

یہ امتِ وسط کے لئے اس رب کا فرمان ہے جس نے کائنات بالقسط پیدا کی ہے۔ جس کے میزانِ تکوین وخلق میں کہیں کوئی کمی بیشی نہیں۔ اور اس کا حکم اشیائے تجارت وخرید وفروخت تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر معاملے کو اپنے احاطے اور گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ اسلامی احکام کی وسعت کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ ہر معاملہ اخلاقی اعتبار سے لین دین کا معاملہ ہے اور مسلمان کو حکم ہے کہ کہیں میزانِ عدل میں کجی نہ آنے پائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے کے بازاروں میں ایسے عمال موجود اور متعین تھے جو اشیائے صرف کو تولا کرتے تھے اور ان کی اجرت بیچنے والے اور خریدنے والے ادا کرتے تھے۔ یہ ایک باقاعدہ

منصب تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسے عمال بھی تھے جو وزن کے باٹوں کی دیکھ بھال اور جانچ کرتے تھے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ دوکاندار سودا فروخت کرتے ہوئے ہلکے باٹ استعمال کرتے ہوں اور خریدتے وقت بھاری باٹ استعمال کرتے ہوں تاکہ دوسروں کو کم مقدار میں دیں اور خود زیادہ وزن میں چیز حاصل کرلیں۔ اس کے علاوہ اس بات پر بھی نگاہ رکھی جاتی تھی کہ ترازو درست ہوں اور دکاندار تولتے ہوئے ہیرا پھیری نہ کرسکے۔ اول تو عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دکاندار قرآن واحادیث کے احکام پر کاربند تھے، لیکن ریاست کا فریضہ اپنی جگہ اہم ہے، اور آخری کتاب اور آخری رسول کو تو ہر دور کے لئے احکام عطا کرنے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکامِ تجارت عطا فرمائے اس میں تاجرانہ دیانت، ہمواری اور اعتدال کے ساتھ ساتھ تاجر اور خریدار دونوں کے حقوق کا ہی نہیں بلکہ دونوں کے تعلقات کی بہتری اور خلوص واعتدال کو بھی ملحوظ رکھا گیا۔ یہ حکم دیا گیا کہ کوئی اپنے بھائی کے دام پر دام نہ لگائے کہ کہیں یوں تاجرانہ رقابت میں اشیائے تجارت کی قیمت غیر ضروری طور پر نہ بڑھ جائے۔ اسی لئے اس بات کی بھی مخالفت کی گئی کہ باہر سے آنے والے تجارتی قافلوں کی پیشوائی کے لئے خریدار بازار سے باہر جائیں۔ اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ آنے والوں کو بازار کے حقیقی نرخ معلوم ہوجائیں۔

اہلِ مدینہ کا پیشہ زراعت تھا۔ زراعت کے پانی کی تقسیم اور اس باب میں باہمی برتاؤ کے بارے میں احکام دیئے گئے۔ اسی طرح زرعی پیداوار کی خرید وفروخت کو انتہائی عادلانہ قوانین کے تابع کیا گیا۔ یوں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہری ریاست میں تجارت کو ذریعۂ معاش کے ساتھ ساتھ حصولِ جنت کا وسیلہ بھی بنایا گیا اور ارشاد ہوا کہ ایمان دار تاجر جنت میں انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کا ساتھی ہوگا۔

مدینۂ منورہ میں تفریحات

مدینۂ منورہ میں زندگی کا ہر گوشہ روشن اور تاب ناک تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر ضروری، جائز، مستحسن اور سیرت ساز انسانی سرگرمی، دلچسپی، شغل اور تفریح کی مثال موجود ہے۔ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا جس نے انسانوں کے تمام تقاضوں، جبلتوں، ضرورتوں اور رجحانات کی آبیاری کی۔ اسلام نے انسان کی کسی صلاحیت، کسی جوہر، کسی تخلیقی میلان پر پابندی عائد نہیں کی بلکہ ان کی سمت کو تعمیر کی طرف موڑ دیا۔ جنگ وجدل کو قوانینِ الٰہی اور عدل کا جامہ عطا کیا، موسیقی کو ہوا وہوس کی چاکری سے نکال کر خوش آوازی کو قرآنِ حکیم کی زینت کا سبب بنا دیا اور جائز

حدود میں شعر خوانی سے وابستہ کر دیا، لہولعب کی پستی کو مردانہ کھیلوں کی شکل میں انسانی صحت کا وسیلہ اور جہاد کی تیاری میں بدل دیا۔ بازاروں میں اپنے آپ کو گم کرنے کی جگہ بازاروں کو حلال وطیب تجارت کا مرکز اور باہمی میل ملاقات کی جگہ بنا دیا اور اس طرح کہ مومن کے سامنے ہمیشہ یہ نکتہ رہے کہ تمہاری بستیوں کی بدترین جگہیں ان کے بازار اور بہترین جگہیں ان کی مساجد ہیں۔

جن لوگوں کی زندگی کا ہر لمحہ رضائے الٰہی کی کوشش سے عبادت تھا ان کی زندگیوں میں اپنے صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں باغوں کی سیر اور سبزہ وگل کے سائے میں وقت گزاری بھی عبادت بن گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ تفریح یہ تھی کہ باغوں میں صحابہ کرام کے ساتھ کچھ وقت گزاریں۔ درختوں کا سایہ، بہتا پانی، اصحاب باصفا کا مجمع اور اس میں ذکرِ الٰہی۔ یوں جنت زمین پر اتر آتی۔ قرآن حکیم میں کتنے مقامات پر جنت باغوں کی شکل میں نظر آتی ہے۔ ان آیات کو دہرانے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ باغوں کی سیر اور دلچسپی کے وقت بھی اسلامی اسلوبِ حیات ہر ایک کے سامنے رہتا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تفریح کے اوقات کے بغیر یہ اسلوب پوری طرح ابھر نہیں سکتا تھا۔ دو صحابہ اگر کسی بڑے درخت سے اس طرح گزرتے کہ ایک دو ثانیئے کے لئے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائے تو پھر یک جا ہونے پر ایک دوسرے پر سلامتی بھیجتے۔ ''السلام علیکم'' ''وعلیکم السلام''۔ یوں ایک دوسرے کی سلامتی چاہنے کی خواہش اور بہی خواہی کی تمنا عام ہو کر اس معاشرے کو انسان کی جنت بنا دیتی۔ نیت ہر عمل کی اساس ہے، مگر زبان سے اس کا اظہار ہمارے لئے مہمیز اور خود آمادگی کا وسیلہ ہے۔

مردانہ کھیل اور ان کے مقابلے معمارِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں عام تھے۔ آج بھی مسجد نبوی ﷺ کے نواح میں اور پاکستان ہاؤس نمبر ا کے سامنے مسجد سبق موجود ہے۔ یہاں وہ میدان تھا جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیر اندازی، شمشیر زنی اور نیزہ بازی کی مشق کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کی مشق جاری رکھنا لازم تھا۔ مشق چھوڑ دینا نافرمانی کا کام ہے کیونکہ صحیح صحیح نشانہ لینے کے لئے مشق ضروری ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

> سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم يَقُولُ مَنْ عَلِمَ الرَّمْیَ ثم تَرَكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا اَوْ قَدْ عَصٰی (۴۱)
>
> میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے تیر اندازی سیکھی اور اس کو چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں یا آپ نے فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔

اس کو آپ نے معصیت اس بنیاد پر قرار دیا کہ اس نے تیراندازی کی ضرورت اور اہمیت کو جہاد کے سلسلے میں نہیں سمجھا۔ مردانہ کھیلوں کے ذریعے اپنی صحت کو برقرار رکھنا اور جہاد کے لئے تیار رہنا بھی اخلاقِ مسلم کی ایک شق ہے۔ اخلاق کی ہر شق اور اخلاق کا ہر شعبہ، اخلاقی نظام کی تشکیل میں حصہ لیتا ہے اور اپنی صحت کو برقرار رکھنے کی کوشش مسلمان کے اخلاق کی ترقی کا ایک سبب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قوی مومن کمزور (اور بیمار) مومن سے بہتر ہے۔

صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیا سے ثنیۃ الوداع تک (جہاد کے لئے) تیار کئے ہوئے گھوڑوں کی دوڑ کرائی اور جو گھوڑے تیار نہیں کئے گئے تھے ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے مسجدِ بنی زریق تک کرائی گئی۔ حضرت ابنِ عمر اس گھڑ دوڑ کے شرکا میں سے ایک تھے۔ تیار گھوڑوں کی دوڑ کا فاصلہ پانچ چھ میل تھا۔

حسن و جمال کا خیال صحابۂ کرام گھوڑوں اور اسلحۂ جنگ کے سلسلے میں بھی کرتے تھے۔ اونٹ کی پشت کے چمڑے، رانگا اور لوہے سے تلواروں کی آرائش کی جاتی تھی۔ اس سے ہمیں یہ اخلاقی درس ملتا ہے کہ اپنی چیزوں کو اچھی حالت میں اور سجا سنوار کر رکھنا مسلمان کے اخلاق کا ایک جز ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پھر گھر کی صفائی اور اس کی ترتیب اور لباس کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کو پاک صاف رکھنا اس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ اپنے گھروں کے صحنوں کو صاف رکھنا مسلمان کا ایک وصف قرار دیا گیا ہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں دراصل ''ماحولیات'' کا حصہ ہیں۔ آج ''ماحولیات'' کو ایک سائنس اور علم کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس کا آغاز قرآنی آیات اور نبیٔ اکرم سلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کی سنت سے ہوتا ہے۔ مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ جل جلالہٗ ہے کہ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ کہ ہم نے اس کے گرد و پیش (اور ماحول) کو برکت عطا فرمائی ہے۔ جب عمارِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یثرب کو مدینۃ النبی بنایا تو آپ کے ابتدائی کاموں میں چراگاہوں کی تعمیر بھی تھی۔ غور کیجئے تو یہ بھی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت للعالمینی کا ایک پہلو تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں پر بھی حد درجہ شفیق تھے۔ جس طرح انسان اپنے گھر کے پرسکون ماحول میں بیوی بچوں کے ساتھ کھانا کھا کر خوش ہوتا ہے، یا پھر مجمعِ یاراں میں دوستوں کی صحبت کھانے کو نیا ذائقہ عطا کرتی ہے اسی طرح مویشی کھلی اور وسیع چراگاہوں میں گھاس چر کر اور جھاڑیوں کے پتے چبا کر خوش ہوتے ہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور صفاتِ حسنہ کا دائرہ کس طرح انسان اور اس دنیا کی زندگی پر محیط ہے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ بات جہاد، آلاتِ جنگ، مردار کھیلوں سے چراگاہوں تک پہنچ گئی۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ ساری کائنات کس طرح ہم رشتہ ہے اور ہم جن باتوں کو بالکل الگ سمجھتے ہیں وہ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔

مدینۂ منورہ کی اجتماعی زندگی میں خواتین کا حصہ

مدینہ منورہ کی اس معاشرتی تصویر میں ہم نے اب تک خواتین کے کردار، معاشرے کی تزئین میں ان کے حصے اور ان کے حقوق کی بات نہیں کی ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ہر امتیاز، برحق مگر ہر فرض ہر حق میں مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ ہم یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان مسابقت اور مقابلے کی جگہ ''رفاقت'' کا تصور اور حقیقت پیش کی ہے۔ مرد، عورت کا لباس ہے اور عورت مرد کا لباس۔ ان کے اشتراک کے بغیر معاشرے کی بنیادی اکائی (خاندان) وجود میں نہیں آسکتی۔ ان دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لئے تسلی اور تسکین کا درجہ رکھتا ہے۔ عورت ہی مکان کو گھر بناتی ہے اور در و دیوار کو محبت کا مفہوم عطا کرتی ہے۔ مرد کے اخلاق کی تعمیر میں اس کی رفاقت کو اساس کا درجہ حاصل ہے، اور عورت کا اخلاقی وجود مرد کے بغیر تکمیل نہیں پا سکتا۔

نبیٔ اکرم نے زندگی کے معاملے میں عورت کو اس کا جائز حصہ دلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی ذہنی، دینی اور اخلاقی تربیت کا اس درجے خیال کیا کہ عورتوں کی تربیت اور تہذیب کے لئے آپ نے دن مخصوص فرما دیا تاکہ خواتین اپنے مسائل آپ کے سامنے پیش کر سکیں۔ حیا اسلامی نظام اخلاق کی ایک شق ہے اور اسی لئے آپ نے امہات المومنین کو فقہ اور اسلامی آداب و اخلاق میں اس درجے کامل کر دیا کہ خواتین اپنے مسائل امہات المومنین سے معلوم کر سکیں اور ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

''مسلم'' اور ''مومن'' کے عموم میں مسلم خواتین اور مومن عورتیں بھی آجاتی ہیں، لیکن جہاں اخلاقی صفات کا ذکر کیا گیا ہے جیسے فرماں برداری اور اطاعت، صدق، صبر، خشوع، تصدیقِ حق و صداقت وہاں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی لفظ بلکہ حرف تک زائد نہیں۔ ہر لفظ مفہوم کو ابھار کر اہلِ ایمان کے سامنے پیش کرتا ہے کیونکہ قرآن حکیم کتابِ مبین ہے، حق و باطل کو الگ الگ کر دیتی ہے، کوئی شبہ باقی نہیں رہنے دیتی۔ زمانوں کے خالق کو معلوم تھا کہ حریت نسواں کی تحریک کس طرح ذہنوں اور زبانوں کو متاثر اور مسموم کرے گی۔ کس طرح صنفی تفریق و امتیاز (gender bias) کے مسائل پیدا ہوں گے۔ معاذ اللہ آج تو عورتیں اس پر بھی احتجاج کر رہی ہیں کہ خدا کے لئے He کا لفظ کیوں استعمال ہوتا ہے۔ ان عصری حقائق کے پیش نظر ایسے قرآنی بیانات کی اہمیت سامنے آتی ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا O (۴۲)

بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، راست باز (اور صادق) مرد اور راست باز (اور سچی) عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، (اللہ کے حضور) عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، اور تصدق (خیرات) کرنے والے مرد اور تصدق کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی (عصمت اور) شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں۔ ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں ان اخلاقی صفات کا ذکر کیا گیا ہے جو افراد کے ساتھ ساتھ معاشرے کی تعمیر کرتی ہیں۔ ایمان اور فرماں برداری سے معاشرہ صبغۃ اللہ سے جگمگا اٹھتا ہے جس سے معاشرے میں استحکام اور برداشت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن قرآنِ حکیم نے بات یہیں پر ختم نہیں کر دی کہ مسلمان مرد اور عورتیں ان صفات کی حامل اور مالک ہوتی ہیں بلکہ قرآنِ عظیم نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ مسلمان مردوں کے ساتھ مسلمان عورتیں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں ایک دوسرے کے ساتھی اور رفیق ہوتے ہیں۔ اقامتِ صلاۃ کی جدو جہد میں مسلمان عورتیں بھی اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ اور ایتائے زکوٰۃ کے ذریعے معاشرے کی تعمیر کرتی ہیں۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O (۴۳)

اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ معروف (اور نیک باتوں) کا ایک دوسرے کو حکم دیتے ہیں اور منکرات (بری باتوں) سے منع کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور ایتائے زکوٰۃ کو اپناتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ضرور ان پر رحمت فرمائے گا۔ بیشک اللہ صاحبِ اقتدار اور بڑی حکمت والا ہے۔

یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ آج کی عورت اور بالخصوص مسلمان عورت دفتروں میں نوکری کرنے، سماجی تنظیموں میں کام کرنے کے نام پر دعوتیں کرنے اور تفریحی اجتماعات کے انعقاد کو حاصلِ حیات سمجھتے ہوئے معاشرے کی تعمیر سے غافل ہے۔

مدینۂ منورہ کی معاشرتی زندگی کا اعتدال خواتین کی ہمہ گیر سرگرمیوں اور دلچسپیوں کا مرہونِ منت تھا۔ امہات المومنین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ اور دوسری صحابیات نے غزوات میں شرکت کی۔ وہ مجاہدین کو پانی پلاتیں، ان کے زخموں کی دیکھ بھال کرتیں اور سامانِ جنگ کی رسد میں مدد کرتیں۔ حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کا طبی کیمپ تو مسجدِ نبوی کے صحن میں قائم کیا جاتا۔

مدینۂ منورہ کی خواتین تجارت کی سرگرمیوں میں حصہ لیتیں۔ اسلامی معاشرے میں حیا کا تقاضا یہ تھا کہ خواتین کی ضرورت کی چیزیں خواتین فروخت کریں، سنگھار کی چیزیں اور عطر خواتین، خواتین ہی سے خریدتیں۔ خواتین کے لئے اسلام نے زینت کی مناسب صورتیں، ریشم اور سونا حلال قرار دیا ہے۔ نسوانی مزاج کے تمام تقاضوں کا اسلام نے پورا احترام کیا ہے، لیکن بہت زیادہ زیوروں کی ہمت افزائی نہیں کی گئی ہے کیونکہ حد سے بڑھی ہوئی زینت کا شوق انفاق کے جذبہ کو کمزور کر دیتا ہے۔ روپے کا بہترین مصرف انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ صحابیات نے زیور کی محبت کو انفاق اور صدقات کے جذبے کے تحت رکھا اور اسے غالب نہیں ہونے دیا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز آبادی سے باہر ادا فرمائی۔ نماز کے بعد آپ عورتوں کے حصے کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں صدقے کا حکم دیا۔ عورتوں نے اپنی بالیاں، خوشبو اور مشک کے ہار حکمِ رسالت پر صدقے میں دے دیئے۔ اس سلسلے کی دوسری حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ عورتیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں (جو بچھا دیا گیا تھا) اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں ڈالنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سونے کی انگوٹھیاں تھیں جو انہوں نے اپنے ہادی، اپنے رسول اور اپنے زوج کے حکم پر صدقے میں دے دیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورت کے ہاتھ میں مہندی اور چوڑیاں پسند تھیں تاکہ عورت کے ہاتھ معلوم ہوں۔ ادنیٰ سے تامل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ''تشابہ'' کا معاملہ ہے۔ ''یہ نفسیاتی معکوسیت'' کا مسئلہ ہے۔ ہمارے عہد میں ایسے مرد ہیں جو نسوانی ادائیں ہی نہیں بلکہ نسوانی لباس بھی اختیار کر لیتے ہیں، اور اب تو ٹیلی وژن پر ایسے لوگوں کے پروگرام اور ''شو'' بڑے فخر کے ساتھ پیش کئے جاتے

ہیں۔اسی طرح ایسی خواتین بھی ہیں جو مردوں کا سا لباس پہنتی ہیں، ان کی چال ڈھال اپناتی ہیں، ان کا طرزِ تکلم اختیار کرتی ہیں۔ اُس رسولِ اعظم نے جس کی رسالت کا عہد قیامِ قیامت تک ہے ان سب خطروں سے آگاہ فرمایا۔آپ نے عورت کی نسائیت کا بھی تحفظ فرمایا۔''چوڑی'' اور ''مہندی'' کا معاملہ جو بظاہر کسی اہمیت کا حامل نظر نہیں آتا، اس پس منظر میں کتنا اہم ہو جاتا ہے۔حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی چال ڈھال کو اپنانے والے مردوں پر، اور مردوں کی چال ڈھال اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔(۴۴)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ مدنی معاشرے میں خواتین کو تفریحات میں شرکت کے مواقع حاصل تھے۔ایک مرتبہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشی بازی گروں کے کرتب دکھائے اور اس طرح کہ آپؓ اپنے حجرے میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ میں کھڑی تھیں۔تفریح کے نام پر اسلام مرد و عورت کے بے محابا سماجی میل جول اور اجتماع کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ ایسے اجتماعات زنا کے مقدمات میں ہیں اور فرقانِ مجید کا ارشاد ہے کہ ولا تقربوا الزنا۔(۴۵)

پردے کی پابندی کے ساتھ خواتین کھیل کود میں بھی حصہ لے سکتی ہیں۔حضرت عائشہ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار دوڑ لگائی۔ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام عورت کی ہر صلاحیت کو اپنے حدود میں پروان چڑھانے کی اجازت دیتا ہے تاکہ اس کی روحانی اور اخلاقی نشو ونما کے ساتھ ساتھ جسمانی ارتقا بھی ہو سکے۔

حقیقی تفریح اور انٹرٹین منٹ کے لئے باہمی رفاقت، دوستی، خیر خواہی، فرصت لازمی شرائط ہیں۔ وقت وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے جو ہم ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں۔اگر زندگی کی نہج یہ ہو کہ میاں بیوی اپنے کاروبار، اپنی نوکریوں اور اپنی معاشی و ''معاشرتی'' سرگرمیوں سے ایک تھکا دینے والے دن کے بعد واپس آئیں تو وہ یہی کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح پیٹ کے دوزخ کو پُر کر کے تھکے ہارے سو جائیں۔میاں کے پاس بیوی کے لئے، بیوی کے پاس میاں کے لئے اور دونوں کے پاس بچوں کے لئے کوئی وقت نہیں ہوگا۔بچے ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے سہارے اپنا وقت گزار دیں گے اور آج کی لعنتی دلچسپیوں میں گم ہو کر رہ جائیں گے۔نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروں کو اپنے انتہائی قیمتی وقت سے ان کا حصہ ان کو دیا۔اس نقطۂ نظر سے غور کیجئے تو بال بچوں اور عزیزوں کو وقت دینا بھی ''انصاف'' کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے جو انسانی زندگی کو اخلاقی رنگوں سے مزین کرتا ہے۔اور اس سب سے بڑے انسان کی ذمہ داریوں پر غور کیجئے جس کو عالمِ انسانیت کے سامنے اللہ کا آخری پیغام پہنچانا تھا، اس کے

حرف حرف پر عمل کر کے ہمیشہ کے لئے نمونہ پیش کرنا تھا، جہاد کے میدانوں میں حق کا دفاع کرنا تھا، دوستوں کے درمیان بیٹھ کر مجلسی زندگی کے آداب قائم کرنے تھے، عبادت وریاضت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا تھا، معمولات کی ادائیگی اور معاشرتی زندگی کے وسیلے سے انسانی تمدن کو فروغ عطا کرنا تھا۔ مختصر یہ کہ نبیٔ آخرالزماں کی زندگی کے پہلوؤں کا بیان وقت اور زندگی کا احاطہ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت چاہتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام معمولات کے لئے وقت نکالنے کے ساتھ ساتھ گھر والوں کے حق کو پوری طرح ادا کیا۔ آپ ازواجِ مطہرات اور اپنی صاحب زادیوں اور ان کی اولادوں کو وقت دیتے، ان سے پیار کرتے، ان کی دلچسپیوں کا لحاظ کرتے۔ ازواجِ مطہرات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ انہیں قصہ کہانی تک سناتے۔ اس سے یہ بات ہمارے سامنے آتی کہ امہات المومنین کی زندگی میں ایسی گھڑیاں آتیں جب یہ سب حضورِ اکرم کے ساتھ ہوتیں۔ ان کے اوقات مقرر تھے اور ان اوقات کے ساتھ یک جانشینی بھی ان کی زندگی کا حصہ تھی۔

یہ اس بات کا موقع نہیں کہ ہم قصے کی افادیت اور حقائق کے ابلاغ میں اس کی اہمیت کا ذکر چھیڑیں۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے قصے بیان فرمائے ہیں اور سورۃ یوسف کو احسن القصص قرار دیا ہے۔ غار والوں کے قصے (کہف) میں کتنے عظیم حقائق بیان فرمائے گئے ہیں۔ احادیث میں کتنے ہی قصے موجود ہیں۔ قصہ، حقیقت کی ایک ایسی ترتیب کا نام ہے جس میں حقائق کے نشانات ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات اپنی ازواجِ طاہرات کو ایک قصہ سنایا۔ کیسا عظیم تھا وہ سنانے والا اور کیسی بابرکت تھیں وہ سننے والیاں۔ امہات المومنین میں سے کسی نے یہ قصہ سن کر کہا کہ اس میں حیرت کے عناصر ہیں اور یہ تو حدیثِ خرافہ ہے۔ خرافہ ایک شخص تھا جو عہدِ جاہلیت میں کافی عرصے تک اجنّہ کے ساتھ رہا اور پھر انسانوں کے درمیان واپس آکر عجیب وغریب کہانیاں اور واقعات انہیں سناتا تھا۔ اس پس منظر کو سامنے رکھئے تو حدیث خرافہ کے معانی ہوئے حیرت انگیز باتیں۔ نظر بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ حکایت میں کوئی عجیب بات نہیں، لیکن امہات المومنین کے نزدیک یہ بات بھی عجیب تھی کہ عورتیں اپنے شوہروں پر بے تکلف تبصرہ کریں۔

اس کہانی میں کنائے اور اشاروں کا استعمال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر موضوعِ گفتگو اتنا ہی نازک ہو جیسا بیویوں کا اپنے شوہروں کا ذکر کرنا تو بیان میں لطیف اشاریت لازم ہے۔ اس کہانی میں بیویوں نے اپنے شوہروں کے مزاج اور عادات پر تبصرے کئے ہیں مگر بڑی بلاغت

کے ساتھ، مگر یہ ذکر بھی امہات المومنین کے لئے تعجب کا باعث تھا۔ اس سے ان کی سادگی اور پاکیزہ نفسی ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس باب میں بہت سی حدیثیں موجود ہیں جن میں خواتین کو بتایا گیا ہے کہ خلوت اور پردے کی باتیں ایک دوسرے سے نہ کریں اور اگر ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے تو اندازِ بیان حجاب جیسا ہو۔ وہ جس کا اخلاق رب العزت کی منشا اور رضا کے مطابق تشکیل پایا تھا، اس کے اخلاق کا عکس اس کے حلقۂ تربیت کے ہر گروہ، ہر فرد کی زندگی کو منور کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہما کی زندگی کا ہر باب اللہ کے رنگ سے سجا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ سادگی میں رہتی دنیا تک مسلمان عورت بلکہ دنیا کی ہر عورت کے لئے نمونہ ہیں۔ ان کے پاس اور صحابیات کے پاس زیورات تھے مگر سونے چاندی کا مصرف ان کے نزدیک انہیں صدقے میں دے دینا تھا۔ حضرت فاطمہ کے سامنے ان کے کسی زیور کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو انہوں نے فوراً صدقہ کر دیا، ان کا اصل گہنا تو ان کا حسنِ اخلاق تھا۔ حلال اور جائز چیزوں کے استعمال کی مسلم و مسلمہ کو اجازت ہے مگر محسن و محسنہ کی دنیا ہی اور ہے۔ وہ حلال اور جائز پر نظر نہیں رکھتے بلکہ اپنے رب کی مرضی کو عزیز جانتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک ریشمی صدری تھی جس پر غالباً کام بھی بنا ہوا تھا۔ مدینے کی اکثر شادیوں میں دلہن والے اس صدری کو دلہن کے لئے مستعار لے جاتے تھے۔ اس میں حصولِ برکت کے علاوہ مدنی معاشرے کی سادگی کو بھی دخل تھا۔

کنیزوں اور گھر میں کام کرنے والیوں کے ساتھ صحابیات کا تعلق بہنوں جیسا تھا۔ مالکہ اور خادمہ مل جل کر کام کرتیں، ایک ساتھ کھانا کھاتیں، عمر میں اگر خادمہ بڑی ہوتیں تو اپنی مالکہ کو مفید مشورے دیتیں۔ مشاورت کا عمل ہر سطح پر جاری تھا۔ کسی معاشرے کے عمومی اخلاقی رجحانات اور کیفیت کے تعین اور تفہیم کے لئے یہ ساری باتیں اہم ہیں۔ اس سلسلے کی اہم ترین اور اساسی بات یہ ہے کہ کسی معاشرے کے اخلاق کا اندازہ کسی ایک طبقے یا اس کے بہترین اور چنے ہوئے افراد سے نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ معاشرے میں ہر فرد، معاشرے کے مزاج کا پیمانہ تھا۔ اسی بات کا ایک پہلو افرادِ معاشرہ کی مساوات ہے۔ اسی لئے اگر مسلمان کنیز بھی کسی کو پناہ دیدیتی تو اس پناہ کو سب کی طرف سے سمجھا جاتا اور پناہ یافتہ شخص محفوظ و مامون ہو جاتا۔ عورت کو اجتماعی زندگی میں یہ حیثیت کسی دور میں کسی بھی مذہب یا معاشرے نے عطا نہیں کی تھی۔

اس سلسلے میں اس نکتے کو بھی سامنے رکھئے کہ کتنے ہی معاشرتی احکام عورتوں کے اکرام اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے آئے۔ بہتان کی حد، گھروں میں داخلے کے آداب، نگاہوں کی نگہداشت، آزادانہ

اختلاط کی ممانعت یہ سارے احکام عورت کی سربلندی اور اس کی شخصیت کی نشوونما سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس مرحلے پر اسلامی نظام کی ایک خصوصیت کا ذکر کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے جو صرف اسلام کا امتیاز ہے اور دنیا کا کوئی نظام اور کوئی مذہب اس کا حریف نہیں۔ اسلام ہر برائی کی اخلاقی بنیادوں پر نشان دہی کرتا ہے۔ ہر برائی گناہ ہے، چھوٹا یا بڑا اور اس سے انسانی معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ پھر سنگین تر برائی کو ''جرم'' قرار دیا جاتا ہے اور اس پر حد جاری ہوتی ہے یا تعزیر، اور حد کے بغیر بھی اس برائی کے نتائج و عواقب کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ گناہ یا جرم کسی معاشرتی اور اجتماعی ناہمواری اور فساد کا سبب بنتا ہے اور اس سے دوسروں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ اسلام اس پہلو کی طرف سب سے پہلے مسلمانوں کو متوجہ کرتا ہے۔ وہ ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم گناہ (اور جرم) کے اخلاقی پہلو پر غور کریں اس کے بعد قانونی پہلو یا سزا کی نوبت آتی ہے۔ نفسِ انسانی کا ارتقا اسلام کو مطلوب ہے۔ ان معاشرتی قوانین اور ضوابط کا، جو عورتوں سے متعلق ہیں، مقصود یہ ہے کہ معاشرے میں کسی سطح پر شک وشبہ اور غلط گمانی کا امکان پیدا نہ ہو، اور انسانی نسب محفوظ رہے۔ تمام گناہوں اور برائیوں (جو جرم بھی ہیں) سے روکتے ہوئے قرآنِ حکیم یہ فرماتا ہے کہ یہ احکام اس لئے دئے جارہے ہیں تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ تاکہ تم فلاح پاسکو، تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو۔ اور تقویٰ نام ہے خوفِ الٰہی، ضبطِ نفس، اور خود احتسابی کی بنیاد پر ان مضر باتوں سے اجتناب کا جو انسانی ذات کے امکانات کی تکمیل کے راستے میں حائل ہوں۔ وہ سود جسے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا گیا اور اس کے بارے میں ابتداً ارشاد ہوا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً ص وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَO (۳۶)

اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاسکو۔

''بڑھا چڑھا کر'' اس لئے نہیں فرمایا گیا کہ سودِ مفرد، جائز ہے بلکہ یہ بات غزوۂ اُحد کے پس منظر میں بیان کی گئی کہ جس میں مال و دولت دنیا کے لالچ میں تیراندازوں نے ٹھکانا چھوڑ دیا تھا۔ حُبِّ دنیا، دل کا بہت بڑا روگ ہے اور سود اسی روگ کی پیداوار ہے۔

یہ اخلاقی برائیاں (اور جرائم) ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں۔ شراب جوئے پر اور جوا شراب پر اکساتا ہے۔ اتفاقات سے دولت کمانے کے کھیل، پانسہ اور فال یہ سب ایک دوسرے کے ممد و معاون ہیں اور آج بھی آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے ہر برائی کس طرح دوسری برائی کو پروان چڑھاتی ہے۔ عالمی عیاشی کے اڈوں میں یہ سب جرائم ایک ساتھ مل کر آدمی کو اپنے آپ سے بےگانہ بناتے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ O (۴۷)

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بتوں کے آستانے اور پانسے (فال نکالنے کے پانسے کے تیر) یہ شیطان کے گندے کھیل ہیں۔ پس ان سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اور اگلی ہی آیت (آیت نمبر ۹۱) میں ان شیطانی کھیلوں کے نقصانات کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔ شراب اور جوئے سے آدمی اپنے آپ ہی سے دور نہیں ہو جاتا بلکہ ایک دوسرے سے لڑنے لگتا ہے، دشمنی پروان چڑھتی ہے۔ اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ آدمی اپنے رب کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس کی واضح نشانی یہ ہے کہ یہ گندے شیطانی کام اسے نماز سے روک دیتے ہیں۔

اسلام کے اخلاقی احکام فلاح حاصل کرنے کا راستہ ہیں۔ ان احکام کے ذریعے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جماعتِ مسلمین پر رحم کیا جائے اور وہ تقوے کے اس مرتبے پر فائز ہوں یہ دوسروں کی رہنمائی کر سکیں۔

مدنی معاشرے کے دوسرے پہلو اور اخلاقیات

مدینۂ منورہ کی شہری ریاست میں بازار میں کس طرح تجارت کو اجتماعی اخلاق کے سنوارنے کا ذریعہ بنایا گیا اور گھریلو زندگی مین کس طرح اخلاقِ حسنہ کو فروغ حاصل تھا، صفحاتِ گزشتہ میں اس کا سرسری خاکہ پیش کیا گیا۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ باغوں میں تفریح کے لئے جاتے تھے اور اس ''تفریح'' کو بھی تربیتِ اخلاق کے لئے استعمال کیا جاتا۔ اخلاق تو اس کُل کا نام ہے جسے ہم انسانی زندگی کہتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں اخلاق رچا بسا ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ اخلاق ایک اوپری چیز ہے۔ اخلاق اعمالِ صالحہ کا جز ہے اور اچھے اعمال اخلاق کے پرتو سے جگمگاتے ہیں۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال بھی آپ کے اخلاق کے اظہار کا ایک رُخ تھی اور صحابۂ کرام آپ کی وضع کی طرح آپ کی چال کے انداز کو بھی اپنانے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ کی رفتار بھی آپ کی نبوت کی ایک ظاہری شہادت تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ یوں چلتے جیسے زمین آپ کے لئے لپیٹی جا رہی ہو اور ہم صحابۂ کرام آپ کے ساتھ چلنے میں مشقت کے عمل سے گزرتے۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آدمی کی رفتار اور چال بھی اسے جہاد، جدوجہد اور مشقت کے لئے تیار رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کا انداز یہ تھا کہ جیسے آپ بلندی سے اُتر رہے ہوں، یعنی آپ کے چلنے میں ہلکا سا جھکاؤ ہوتا تھا جو تواضع کی نشانی اور علامت ہے۔ اکڑ کر چلنا تکبر اور شیخی کی علامت ہے، بالکل اسی

طرح جیسے چیخ کر، اور چلا کر بات کرنا۔ اس کائنات کا نظام اور یہ کارخانۂ قدرت ہر قدم پر ہر باب میں میانہ روی کا مطالبہ کرتا ہے۔ میر تقی میر نے اس کائنات کی ''نزاکت'' اور احتیاط و اعتدال کو کس حُسن کے ساتھ پیش کیا ہے

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

ہمیں اس زمین پر اور اس دنیا میں میانہ روی کو اپنانا ہے اور انگریزی کے محاورے کے مطابق اس طرح نہیں رہنا ہے جیسے شیشے اور چینی کے برتنوں کی دوکان میں کوئی بیل گھس آئے۔

Bull in a china shop

سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے (حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت فرما رہے ہیں)

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝ (۴۸)

لوگوں کے سامنے (اور ان کی تذلیل کے لئے) اپنے گال نہ پھلا اور زمین پر اِترا کر نہ چل۔ کسی متکبر اور شیخی خورے کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ اپنی رفتار اور چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ۔ یقیناً آوازوں میں بدترین آواز گدھے کی آواز ہے۔

جس طرح انسانی جسم ایک وحدت ہے اور مختلف اعضا کے اعمال ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی رکھتے ہیں، اسی طرح اخلاق بھی ایک وحدت ہے کہ ایک عمل دوسرے عمل کی تصدیق کرتا ہے۔ آج کل اخباروں اور برقی ذرائع ابلاغ پر ایک اصطلاح کا چلن اور رواج ہے ''body language'' یعنی حرکات و سکنات ایک زبان کا درجہ رکھتی ہیں۔

باڈی لینگویج سے معلوم ہوتا ہے کہ وزیرِ اطلاعات جھوٹ بول رہے ہیں
باڈی لینگویج سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ میچ فکسڈ (نو راکشتی۔ طے شدہ) تھا

''گال کو پھلانا'' اور ''اِترا کر چلنا'' بھی جسم کی زبان کا درجہ رکھتے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے سورۃ لقمان کی ان آیات میں حرکاتِ جسمانی کی زبان کا تذکرہ کیا ہے۔ اردو زبان کے اس مشہور مصرع میں بھی یہی حقیقت پیش کی گئی ہے۔

تری نگاہ سے تیرا بیاں نہیں ملتا

''جسم کی زبان'' دراصل ذہن، روح اور پوری انسانی شخصیت کا ''عکس ہوتی ہے'' اور چال تو اندازِ زیست کا اشاریہ ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًاO (۶۳)

اور خدائے رحمان کے حقیقی بندے وہی ہیں جو زمین پر آہستگی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم اور جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) خطاب کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ کھانا تناول فرمانا بھی اخلاق کی تربیت کے سلسلے میں ہدایات اور قرینے کا مستقل باب تھا۔ کھانا سادہ ہوتا، اکثر جو کی روٹی ہوتی، آٹا بیشتر بغیر چھنا ہوا ہوتا، زیتون کو مستقل ''سالن'' کا درجہ حاصل تھا۔ غذا میں بھی اعتدال کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا۔ ایسی غذا ہوتی جس میں سادگی کے ساتھ ساتھ نشاستہ، وروغنیات، پروٹین، فائبر سب ہی اجزا ہوتے۔ گوشت کے ساتھ سبزی بالخصوص لوکی کو شامل کیا جاتا۔ پھلوں کو غذا میں خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ کھجور، خربوزے، تربوز اور ککڑی کا استعمال عام تھا۔ جب کسی نئے پھل کی فصل شروع ہوتی تو صحابہ وہ پھل اپنے صاحب اور آقا علیہ السلام والصلاۃ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے باغات اور پھلوں کی فراوانی کے لئے دعا فرماتے، اور آپ ﷺ وہ پھل محفل میں موجود سب سے چھوٹے بچے کو دیدیتے۔ اس سے امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ بچوں کا اکرام اور ان سے محبت وشفقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور ہر دور میں اسلامی معاشرے میں اسے سنتِ جاریہ کا درجہ حاصل ہونا چاہئے۔ اس سنت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معصوم بچوں کی خوشی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے اور اس سے رب جلیل کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

رزقِ حلال وطیب اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ بھوک، خواہ پیٹ کی ہو خواہ جنس کی، بیشتر انسانی گناہوں اور معاشرتی خرابیوں کی سبب ہے۔ زبان کی لذت کی خاطر آدمی حلال اور حرام کے امتیاز کو بھول جاتا ہے۔ آج مغرب کے غیر اسلامی معاشرے میں رہنے والے کتنے ہی مسلمانوں نے غیر ذبیحہ گوشت کو اپنے لئے حلال کرلیا ہے اور ''فتوے'' حاصل کر لئے ہیں۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے آداب بڑی وضاحت کے ساتھ ہمیں عطا فرمائے ہیں۔ آپ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کھانا کا آغاز فرماتے اور اس دعا پر کھانا ختم فرماتے۔

الحمد للّٰہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا مسلمین (۵۰)

تمام ثنا اور تعریف اس ذات کے لئے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور اسلام کی دولت عطا کی

ہر مسئلے میں، زندگی کی ہر سرگرمی میں اللہ کی یاد اور اس کا ذکر ساری انسانی اخلاقی خوبیوں کا سرچشمہ ہے کہ یوں ہی اخلاقِ الٰہی زندگی میں عملی طور پر شامل ہو جاتا ہے۔ طہارت اور پاکیزگی اسلامی نظام اور انسانی اخلاق کا ایک حصہ ہے۔ جسمانی اور ظاہری پاکیزگی اور صفائی انسان میں روحانی، اخلاقی اور باطنی پاکیزگی پیدا کرتی ہے۔ مسنون دعاؤں میں یہ دعا بھی شامل ہے کہ اے اللہ! تو میرے باطن کو میرے ظاہر سے زیادہ پاکیزہ بنا دے، کھانا کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا اسلامی اخلاق و آداب میں شامل ہے۔ مسلمان جب مل کر کھانا کھاتے تھے تو اکثر ایک ہی برتن سے کھاتے تھے، اسی لئے ہر کھانے والے کا فرض تھا کہ وہ اس طرح کھائے کہ اس برتن سے دوسرے کھانے والوں میں ناگواری یا کراہیت نہ پیدا ہو۔ بیٹھنے کے انداز میں نفاست ہو، ہاتھ کے ناخن اچھی طرح صاف اور کٹے ہوں، آدمی اپنے سامنے سے کھائے، برتن میں ادھر اُدھر ہاتھ نہ ڈالے۔ اگر وہ گوشت کھا رہا ہے تو اچھی بوٹیاں خود نہ چن لے بلکہ ساتھیوں کا خیال رکھے۔ سنت میں سب باتیں شامل ہیں اور کتبِ احادیث میں ان کی تفصیل ملتی ہے۔ بڑی باتوں کا شعوری طور پر اختیار کرنا اور ان کی نمائش آسان بات ہے لیکن ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا اور ان پر اس تواتر سے عمل کرنا کہ وہ عادت بن جائیں اخلاقِ عالیہ کی تعمیر کا وسیلہ ہے اور اسی اخلاق کو ہر شعبۂ زندگی میں مسلمان کی شناخت بنا دینا کارنامۂ رسالت ہے۔ ہزاروں سلام اور لاکھوں درود اس ذاتِ کریم پر جس کے اسوہ کا مقصد ہمیں بہترین انسانی گروہ بنانا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسجدِ نبوی، صحابۂ کرام کی زندگی کا مرکز

مدینہ منورہ کے بازاروں میں اسلامی اخلاق کی خوشبو پھیلی رہتی۔ دوکان دار اور گاہک ایک دوسرے پر سلامتی کے تحفے نچھاور کرتے، کوئی غل اور دھوکا نہ تھا، چیزیں اپنے وزن اور پیمائش میں پوری ہوتیں۔ صحابہ کے گھروں میں بزرگوں کی شفقت اور چھوٹوں کا ادب آمیز و ادب آموز رویہ زندگی کے حُسن کا استعارہ تھا۔ مدینۂ منورہ کے باغوں میں کھجوروں اور پھلوں کی شیرینی کے ساتھ ساتھ گفتگو کی مٹھاس دنیا کو جنت آثار بنا دیتی، لیکن مدینۂ منورہ میں مسلمانوں کی زندگی کا مرکز مسجدِ نبوی تھی۔ صُفہ ہمہ وقت آباد رہتا۔ کم و بیش ستر جانثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صُفہ پر تلاوت، نماز اور ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ پنج وقتہ نمازوں میں ان قدسی نفس انسانوں کو ہادیٔ اعظم اور امامِ ہر زماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، رفاقت اور

صحبت میسر آجاتی۔ جمعہ کے علاوہ مقررہ دنوں میں آپ ﷺ کے وعظ اور تذکیر سے وہ اپنے قلوب کو منور کرتے۔ مسلمانوں کے مسائل اور اجتماعی معاملات میں یہی مسجد دارالشوریٰ تھی۔ زندگی کا ہر راستہ اسی مسجد کی طرف آتا تھا۔ صحابۂ کرام اپنے رہنما اور رہبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں سفر پر جاتے تو آغازِ سفر اسی مسجد سے ہوتا، سفر سے لوٹتے تو گھر جانے سے پہلے مسجد نبوی میں اپنے رب کے حضور دوگانہ ادا کرتے۔ یہ بھی ضبطِ نفس کی تربیت کی صورت تھی کہ گھر میں بیوی اور بچے اپنے شوہر اور باپ کو دیکھنے کے لئے بے چین ہیں مگر وہ اپنے رب کے گھر میں حاضری کو ترجیح دے رہا ہے۔ طوفان آتا، تند و تیز ہوائیں چلتیں اور برق و باراں کی شدت منظر اور حدِ نظر پر چھا جاتی تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مسجدِ نبوی میں اپنے رب سے عافیت طلب کرتے۔ یہ لوگ موت کے اندیشوں کو خاطر میں نہ لاتے مگر ہر ایسے تغیر سے پناہ مانگتے کہ کہیں یہ عذاب الٰہی کی شکل نہ ہو۔ باہر سے آنے والے وفود کا استقبال مسجدِ نبوی میں کیا جاتا اور یہیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے منبر رکھا جاتا تاکہ وہ زبانِ شعر میں حمدِ الٰہی اور ثنائے خواجہ پیش کریں۔ شاعری نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے سے فروتر تھی، جب کہ عربوں کی نظر شعر نطق و بیان کی معراج تھا۔ کلام اللہ کی بے مثال تاثیر کے پیشِ نظر انہوں نے ''آپ کے کلام'' (مشرکین قرآن کو کلامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے) کو شاعری قرار دیا حالانکہ شعر و سخن کے یہ ''متوالے'' خوب جانتے کہ یہ کلام ''چیزے دیگرست''۔ قرآنِ مجید نے اس ''الزام'' کی بہت پرزور انداز میں تردید کی ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ O (۵۱)

اور ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور شعر ان کے قابل نہیں۔ اور یہ کلام تو ذکر و نصیحت اور قرآنِ مبین ہے۔

قرآنِ کریم کی اس تردید کو اس کے مضامین کی روشنی میں دیکھئے اور شعر محض حسنِ بیان کا نام نہیں بلکہ مبالغہ، تخیلاتی مضامین اور افراط و تفریط اجزائے شاعری ہیں اور قرآنِ حکیم کا ان عناصر سے شمہ بھر تعلق نہیں۔ یہ ذائقی حقائق کی کتاب ہے۔ یہ بات بھی ایک معجزہ کا درجہ رکھتی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شعر کے نہایت عظیم ناقد ہونے کے باوجود اکثر موزوں شعر نہیں پڑھ سکتے تھے۔ یہ ''امرِ رب تھا''۔ آپ سے یہ شعر منسوب ہے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

ادب شعر کا ہر طالب علم اس حقیقت سے باخبر ہے کہ شعر شاعر کے قصد کا نتیجہ ہوتا ہے اور ایسے

موزوں کلام اکثر ہماری گفتگو میں ہماری زبان سے بے ارادہ ادا ہو جاتے ہیں، جنہیں کسی طور شعر نہیں کہا جاتا۔ اس حقیقت کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم شعر کی تاثیر، افادیت اور معاشرہ سازی میں اس کی حقیقت سے بدرجۂ کمال واقف تھے۔ مسجدِ قباء، مسجدِ نبوی کی تعمیر اور غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی کرتے ہوئے آپ ﷺ اشعار کی ادائیگی میں صحابۂ کرام کے ہم نوا ہو جاتے تھے تاکہ مشقت میں نشاط کا رنگ شامل ہو سکے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک مسجدِ نبوی میں تشریف فرما رہتے۔ قدرے آرام فرماتے، صحابہؓ سے گفتگو فرماتے اور صحابہ سے اشعار سنتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ شعرا میں امیہ بن ابی العلت، حضرت لبید، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حسان بن ثابت تھے۔ حضرت ابن رواحہ فتح مکہ کے وقت مسجد الحرام میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور شعر ان کے لب پر تھے۔ ''خلوا بنی الکفار عن سبیلہٖ'' حضرت لبید نے مسلمان ہونے کے بعد شعر گوئی ترک فرما دی تھی اور حضرت حسان تو شاعرِ دربارِ نبوت تھے۔

ذکر ہو رہا تھا مسجدِ نبوی میں (بالعموم) نمازِ فجر کے بعد کی محفلوں کا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں آپ کی محفلوں میں سو بار سے زیادہ شریک ہوا۔ ان محفلوں میں اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ترنم کے ساتھ اشعار پیش کیا کرتے تھے۔

کان اَصحابہٗ یتناشدون الشعر (۵۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب شعر گایا کرتے تھے۔

اس سے مسلمان کی تفریحات میں ترنم کے ساتھ شعر خوانی کی اجازت بلکہ اس کے استحسان کا پہلو موجود ہے

مسجد نبوی میں (اور باہر بھی) سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ یوں بیٹھتے کہ آپ کے لئے کوئی امتیازی جگہ یا امتیازی فرش نہ ہوتا، اور اجنبی کو حاضری کے وقت سوال کرنا پڑتا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں'' یا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مشقت کے اجتماعی کاموں میں اپنے لئے کسی رعایت کو پسند نہیں فرماتے تھے، اسی طرح کسی معاشرتی امتیاز کے قائل نہیں تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ صحابۂ کرام آپ کے حضور اس ادب سے بیٹھتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ اور وہ اپنی آوازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست رکھتے کہ کہیں ان کے اعمال حبط نہ ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضابطۂ اخلاق میں دل

سے تعظیم اور احترام کا اعتبار ہے محض احترام کے اظہار کا نہیں۔ آپ اپنی تشریف آوری پر بھی صحابہ کے اُٹھ کر تعظیم بجالانے کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ اخلاق تو انسان کے خُلق اور سرشت میں داخل اور شامل ہو کر اس کو بہتر انسان بناتا ہے اور ''تکلف'' کے معانی یہ ہیں کہ شائستہ اندازِ نشست و برخاست، اندازِ کلام، اندازِ تبسم اور کھانے پینے کے آداب اس کی ذات کا حصہ نہیں بن سکے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں میں یہ محسوس ہوتا کہ یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا۔ مسجدِ نبوی میں آپ کی محفل میں قہقہے بلند نہ ہوتے، بلند آواز میں گفتگو نہیں ہوتی لیکن دل ایک انبساط ضرور محسوس کرتا، دل اور ذہن کی فضا پر آپ کی کریمی کا ترشح ہوتا تھا اور دل کی زمین میں حقیقی مسرت کے گل بوٹے اگتے رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی، تبسم تک محدود رہتی اور تبسم گوشہائے لب سے آگے نہ بڑھتا اور آپ کی پاک آنکھیں بھی اس تبسم میں شریک محسوس ہوتیں۔ یہ تبسم آپ کے اخلاق کا جز تھا۔ حضرت عبد اللہ بن الحارث نے فرمایا کہ۔

مارأیتُ احداً اکثر تبسماً مِن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۵۳)

میں نے رسول اللہ علی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی شخص نہیں دیکھا

اور آپ کے ''تبسم'' کی رعنائیوں کو اپنی نگاہِ تصور سے دیکھتے ہوئے اس حقیقت کو بھی سامنے رکھئے کہ یہ وہ ذات تھی جسے ساری امت اور ساری انسانیت کا ''غم'' تھا، جو جاگتی آنکھوں سے آنے والے زمانوں کے فتنوں اور آزمائشوں کو دیکھ رہی تھی۔

مزاح انسان کے اخلاق کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ جذباتی آدمی ممکن ہے کہ معمولی باتوں پر روپڑے اور ایسا رونا طبیعت کی کمزوری کی دلیل تو ہوسکتا ہے مگر اخلاقی کمزوری کی نہیں، لیکن گھٹیا اور نازیبا باتوں پر ہنسنا یا مسکرانا اخلاقی عیب ہے۔ ہمارے معاشرے میں لوگ دوسرے اندازِ کلام، تکیۂ کلام یا کسی جسمانی عیب کو ہنسنے کی چیز سمجھتے ہیں مثلاً کسی کا لنگ، یا ہکلاہٹ۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی نظام میں شدید عیب ہے۔

مزاح کے لئے موقع محل اور حد ضروری ہے۔ مزاح محفل یا گفتگو پر چھا نہ جائے۔ عربی محاورے کے مطابق مزاح کھانے میں نمک کی طرح ہے۔ **المزاحُ فی الکلام ک الملح فی الطعام**۔ نمک ذرا سا زیادہ ہوجائے تو کھانا بگڑ جاتا ہے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ اور مسلسل گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حفظِ لسان مسلمان کی ایک پہچان ہے۔ گفتگو با مقصد ہو، گفتگو اچھے کاموں کی

طرف متوجہ کرنے کے لئے ہو۔ ویسے ایک دوسرے کی دل دہی بھی کارِ ثواب ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اور تیز تیز گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ اس نکتے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اہم اور بنیادی موضوعات پر احادیث کے راویوں میں اختلافِ لفظی اتنا کم کیوں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بہت صاف اور واضح ہوتا تھا۔ موضوعِ کلام میں خلط مباحث نہ ہوتا۔ ایک مضمون یا موضوع کو آپ سننے والے کے ذہن نشین فرمادیتے۔ جو بات اہم ہوتی اسے تین بار دہراتے۔

بعض احادیث کی مختلف روایتوں میں ایک لفظ کا اختلاف ملتا ہے۔ آج علمائے بلاغت مرادف یا مترادف کے چنداں قائل نہیں لیکن یہ بھی معجزہ ہے کہ ایسی احادیث میں نبی اکرم کے دو مترادف لفظوں میں معانی کی ہم رنگی (shades of meaning) نہایت درجہ مکمل اور ہمہ جہتی ہوتی ہے۔ اس کا یہ سبب ذہن میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کی محفل میں عرب کے مختلف علاقوں اور قبائل کے لوگ ہوتے تھے۔ ان کی لغت اور ذخیرۂ الفاظ اور محاورے میں فرق ہوتا تھا۔ جس کسی لفظ یا محاورے کے استعمال پر سامعین میں سے کسی کے چہرے پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجنبیت کا احساس ہوتا تو آپ اس لفظ یا اظہار کو بدل دیتے۔ الترغیب والترہیب کے مطالعے سے ہمارے اس قیاس بلکہ علمی نتیجے کو تقویت ملتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ واقعاتی ترتیب اور تفصیل کے ملاحظہ ہو ''حیات محمد۔ قرآن حکیم کے آئینے میں'' کے ابواب ''غزوۂ احزاب'' اور ''غزوۂ بنی قریظہ'' سے واقعہ افک تک۔ شائع کردہ دارالاشاعت، کراچی

۲۔ حیات محمد قرآن حکیم کے آئینے میں، ص ۱۴۷، دارالاشاعت، کراچی

۳۔ الاحزاب: ۳۷ تا ۴۴

۴۔ المنافقون: ۷، ۸

۵۔ النور: ۱۶

۶۔ النور: ۱۹

۷۔ النور: ۱۱

۸۔ النور: ۲۲

۹۔ النور: ۲۷، ۲۸

۱۰۔ النور: ۳۰، ۳۱

۱۱۔ النور: ۳۲، ۳۳

۱۲۔ النور:۵۵
۱۳۔ الفتح:۲۴
۱۴۔ الفتح:۱۸، ۱۹
۱۵۔ الفتح:۲۷، ۲۸
۱۶۔ الفتح:۲۹
۱۷۔ الفتح:۲۰
۱۸۔ الفتح:۱۵
۱۹۔ الانعام:۹۶
۲۰۔ یونس:۶۷
۲۱۔ ابن ہشام: ج۴،ص۴۰
۲۲۔ الاعراف:۱۵۸
۲۳۔ آل عمران:۶۴
۲۴۔ سید عزیز الرحمٰن۔ مقالہ فصاحتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجلّہ السیرۃ عالمی۔ کراچی، اکتوبر ۲۰۰۵ء۔ شمارہ ۱۴: ص ۲۷۷
۲۵۔ یوسف:۱۰۸
۲۶۔ جن:۲۰
۲۷۔ نحل:۱۲۵
۲۸۔ البقرہ:۲۱۳
۲۹۔ المائدہ:۴۵
۳۰۔ النساء:۱۰۵
۳۱۔ بخاری۔ کتاب الاحکام۔ باب ھدایا العمال
۳۲۔ کتاب البیوع۔ باب ۱۲۹۶
۳۳ النساء:۲۹
۳۴۔ الجمعہ:۱۱
۳۵۔ النور:۳۷، ۳۸
۳۶۔ التوبہ:۲۳، ۲۴
۳۷۔ البقرہ:۲۷۶۔۲۷۵
۳۸۔ بخاری۔ کتاب البیوع: رقم ۱۲۹۴

۳۹۔ المطففین: ۱، ۶
۴۰۔ الرحمٰن: ۹
۴۱۔ مسلم۔
۴۲۔ الاحزاب: ۳۵
۴۳۔ التوبہ: ۷۱
۴۴۔ بخاری شریف: کتاب اللباس
۴۵۔ بنی اسرائیل: ۳۳
۴۶۔ آل عمران: ۱۳۰
۴۷۔ المائدہ: ۹۰
۴۸۔ لقمان: ۱۸، ۱۹
۴۹۔ الفرقان: ۶۳
۵۰۔ ترمذی: ج ۵، ص ۲۸۴، رقم ۳۴۶۸
۵۱۔ یٰسین: ۶۹
۵۲۔ ترمذی: ج ۵، ص ۱۴۰، رقم ۲۸۵۰
۵۳۔ احمد/المسند: ج ۴، ص ۱۹۱

تصوف وسلوک پر شہرۂ آفاق کتاب

عمدۃ السلوک

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

نیا ایڈیشن تصحیح اور تخریج احادیث کے ساتھ شائع ہوگیا ہے

تخریج: سید عزیز الرحمٰن

صفحات: ۴۳۲ قیمت: ۹۵/روپے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز